تنظیمِ اسلامی

جنوری ۲۰۰۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

عرض احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

''قانون تحفظِ حقوقِ نسواں'' کا سانحہ

آج سے پینتیس برس قبل ماہِ دسمبر کے دوران ملک خداداد پاکستان اُس عظیم سانحہ سے دوچار ہوا تھا جس کی کسک ہماری آئندہ نسلیں بھی محسوس کرتی رہیں گی۔ یہ ملک ٹوٹنے کا سانحہ تھا‘ جو بھارتی افواج کے مقابلے میں افواجِ پاکستان کی شرمناک ہزیمت کے بعد ہتھیار ڈالنے کے نتیجے میں پیش آیا۔ اِس بار دسمبر کا مہینہ اپنے ہمراہ ایک تازہ سانحے کا زخم لے کر آیا ہے ـــــ اور یہ سانحہ ''تحفظِ حقوقِ نسواں بل'' کی منظوری کا ہے‘ جو اَب قانون کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی اور پھر سینیٹ نے ''تحفظِ حقوقِ نسواں'' کے نام پر ایک ایسے بل کی منظوری دے دی ہے جو بلاشک وشبہ قرآن وسنت سے متصادم ہے۔ اس بل کے ذریعے ضیاء الحق دور کے حدود قوانین میں ترامیم کرتے کرتے ''حدود اللہ'' میں بھی ترمیم کی جسارت کی گئی ہے۔ حدود آرڈیننس کی حیثیت ایک فوجی آمر کے حکم کی نہ تھی‘ بلکہ یہ آرڈیننس عالم اسلام کے جید علماء کرام اور ممتاز ماہرین قانون کے مشوروں کی روشنی میں تیار کیا گیا تھا اور اسے پاکستان میں نفاذِ شریعت کی طرف ایک پیش رفت سمجھا گیا تھا۔

''تحفظِ حقوقِ نسواں'' کے عنوان سے حدود قوانین میں جو ترامیم کی گئی ہیں وہ تمام مکاتیبِ فکر کے علماء کے نزدیک خلافِ اسلام ہیں اور ہمارے حکمران قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی کر کے کفر کے مرتکب ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نئے قانون کے نفاذ کا مقصد خواتین کے حقوق کا تحفظ نہیں ہے بلکہ ملک میں فحاشی‘ بے حیائی اور بدکاری کی ترویج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بش اور بلیئر نے اسے ایک اچھا آغاز قرار دے کر اس کی تحسین کی ہے۔ ہمارے حکمران مغربی استعمار کے آلۂ کار بن کر ملک میں مغربی تہذیب کے فروغ اور ایک سیکولر اور سیکس فری معاشرے کے قیام کے لیے جس انداز میں سرگرم عمل ہیں اس پر ملک وملت کے بہی خواہ تڑپ اٹھے ہیں۔ چنانچہ علماء کرام نے اس قانون کو شریعت اسلامی کے خلاف قرار دیا ہے اور دینی و مذہبی حلقوں کی جانب سے اس کی شدید مذمت کی جا رہی ہے۔ اس مہم میں تنظیم اسلامی بھی مقدور بھر حصہ لے رہی ہے اور اس قانون کے بارے میں علماء کرام اور ماہرین

قانون کی گرانقدر آراء کو اپنے رسائل و جرائد کے ذریعے بڑے پیمانے پر پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ چنانچہ ہفت روزہ ندائے خلافت کی اشاعت خصوصی (شمارہ ۴۳) میں ''تحفظِ حقوقِ نسواں بل'' کا مکمل متن بھی شائع کیا گیا اور مفتی محمد تقی عثمانی' قاری محمد حنیف جالندھری اور حافظ حسن مدنی صاحبان کے چشم کشا مضامین بھی شامل اشاعت کیے گئے۔

میثاق کا پیش نظر شمارہ بھی اسی سلسلے کی ایک خصوصی اشاعت کی حیثیت رکھتا ہے۔ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے جمعہ ۸ دسمبر کو جامع القرآن' قرآن اکیڈمی لاہور میں ''قانون تحفظِ حقوقِ نسواں'' پر فکر انگیز خطاب فرمایا تھا۔ اس خطاب میں محترم ڈاکٹر صاحب نے اس قانون کے اہداف و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ مغربی استعمار کے ہاتھوں ہمارا سیاسی نظام پہلے ہی ختم ہو چکا ہے' جبکہ معاشی نظام میں سود ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جسے قرآن نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا ہے۔ اب ہمارے معاشرتی نظام کو ہدف بنا کر شرم و حیا اور عفت و عصمت کے تصورات کو ختم کرنے اور خاندان کے ادارے کو تباہ کرنے کی سازش ہو رہی ہے اور اسی کی ایک کڑی ''تحفظِ حقوقِ نسواں'' کا یہ قانون ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب میں اسلامی نظام کے قیام کا طریق کار بھی مختصراً واضح فرمایا۔ یہ خطابِ جمعہ تسوید و ترتیب کے بعد اس شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے کا دوسرا مضمون قرآن اکیڈمی کراچی کے اکیڈمک ڈائریکٹر انجینئر نوید احمد صاحب کا ہے' جس کی حیثیت محترم ڈاکٹر صاحب کے مضمون کے تتمے اور تکملے کی ہے۔ اس مضمون میں قانون تحفظ حقوقِ نسواں کے پس پردہ مقاصد بھی واضح کیے گئے ہیں اور ان مقاصد کا راستہ روکنے کا لائحہ عمل بھی بیان کیا گیا ہے۔ جناب ابوعبدالمعز کے مضمون میں ''قانون تحفظِ حقوق خواتین'' کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے اس کی خلافِ اسلام شقوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان مضامین کی اشاعت کا مقصد لوگوں میں آ گہی اور بیداری پیدا کرنا ہے' تاکہ وہ دشمنان اسلام کے ایجنڈے سے واقف ہو کر اسے ناکام بنانے کے لیے سرگرم عمل ہو سکیں۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی!○○

تذکرہ و تبصرہ

قانون تحفظِ حقوقِ نسواں

کا منظر و پس منظر

اور نفاذِ شریعت کے خواہشمندوں کے لیے لمحۂ فکریہ

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۸؍دسمبر ۲۰۰۶ء کا خطاب جمعہ

بمقام: جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور

خطبۂ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات:

﴿وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ﴿۴۴﴾...... فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴿۴۵﴾...... فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ﴿۴۷﴾﴾

﴿اَفَحُکۡمَ الۡجَاهِلِیَّةِ یَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ﴿۵۰﴾﴾(المائدۃ)

اِس وقت عام طور پر پورے ملک کی دینی اور مذہبی فضا میں ایک سوگواری کا سا انداز ہے۔ ایک رنج، صدمے اور غم و غصے کی کیفیت ہے جس میں جھنجھلاہٹ کا عنصر بھی شامل ہے۔ اس کی وجہ فروغِ بدکاری کا وہ قانون ہے جو ہمارے ہاں ''تحفظ حقوقِ نسواں'' کے عنوان سے پاس ہوا ہے۔ ویسے تو کفر ہمارے ہاں پہلے بھی کم نہیں تھا، ہمارے ملک میں بڑے سے بڑے کفر بے دریغ چل رہے ہیں، جس کی سب سے بڑی مثال سود ہے جو ہماری معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اسلام

میں عقیدے کی سطح پر شرک سے بڑا گناہ کوئی نہیں‘ جس کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس کے معاف کیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے‘ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾

(النّساء:۴۸و۱۱۶)

اور عمل کی سطح پر سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑا گناہ سود ہے‘ اس لیے کہ سود کے جرم کے بارے میں حدیث موجود ہے: ((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا)) ایک روایت میں ہے: ((اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ جُزْءً)) یعنی سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں‘ یا سود کے ستر گناہ ہیں‘ ان میں کچھ بڑے ہیں اور کچھ چھوٹے ہیں۔ ((اَیْسَرُھَا اَنْ یَنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّہٗ))[1] ان میں جو سب سے چھوٹا حصہ ہے وہ اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔ تو حساب لگا لیجیے کہ سود زنا سے کتنا بڑا گناہ ہے۔ لیکن وہ چل رہا ہے۔ اِس وقت چونکہ ایک نئی اُفتاد آئی ہے‘ لہٰذا اس کا ایک اثر محسوس ہو رہا ہے‘ ورنہ ہم قومی سطح پر بے حس ہو چکے ہیں اور کفر پر راضی ہو چکے ہیں۔ ہمارا باقی عدالتی اور قانونی نظام بھی قرآن وسنت پر مبنی تو نہیں ہے‘ لیکن اس کے باوجود بہرحال ایک سوگواری‘ ایک رنج وغم‘ صدمے‘ غصے اور جھنجھلاہٹ کی کیفیت ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے‘ یہ کیوں ہو رہا ہے‘ یہ کیسے ہو رہا ہے‘ اس کی وجہ کیا ہے؟

سود کا گناہ ہو یا کفر کی دوسری شکلیں ہوں‘ یہ سب چیزیں ہمیں اپنے سابقہ استعماری آقاؤں سے وراثت میں ملی ہیں۔ بینکنگ کا نظام تو یہاں انگریز قائم کر کے گیا ہے‘ جو گویا ہمیں موروثی طور پر ملا ہے۔ لیکن یہ جو جرم ہوا ہے اس کی سیاہی تو ہم نے خود اپنے چہرے پر ملی ہے۔ اس نام نہاد تحفظ حقوقِ نسواں بل کو قانون کی شکل ہم نے خود دی ہے۔ اسے نیشنل اسمبلی نے منظور کر دیا‘ سینٹ نے منظور کر دیا‘ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس پر ’’صدرِ محترم‘‘ کے دستخط ثبت ہو گئے۔ ہمارے حکمران تو اس کی منظوری کا اعلان کنونشن ہال میں ایک بڑے اجلاس کے اندر جشن کے انداز میں کرنا چاہتے تھے‘ تاکہ ہمارا یہ ’’کارنامہ‘‘ دنیا کے سامنے نمایاں ہو‘ لیکن شاید کوئی سکیورٹی وغیرہ کا مسئلہ تھا کہ وہ رائے بدل دی گئی۔ یہ قانون سازی وطن عزیز کی آزادی کے تقریباً ساٹھ برس بعد ہوئی ہے۔

(۱) سنن ابن ماجہ‘ کتاب التجارات‘ باب التغلیظ فی الربا۔

ضیاء دَور میں حدود قوانین کا نفاذ

اس قانون کے ذریعے حدود قوانین میں تبدیلی کی گئی ہے جن کا نفاذ جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں ہوا تھا۔ جنرل ضیاء الحق بھی جنرل پرویز مشرف کی طرح ایک فوجی آمر تھا' لیکن اس نے حکومت پر قبضہ اسلام کے نام پر کیا تھا۔ اُس وقت نظامِ مصطفیٰ ﷺ تحریک اپنے پورے عروج پر تھی' اور بھٹو صاحب نے اگرچہ چند دن پہلے کہا تھا کہ میری کرسی بہت مضبوط ہے' لیکن اب یہ کرسی ڈگمگا گئی تھی۔ ابھی تک وہ نقشہ میرے سامنے ہے' میں نے ٹی وی پر دیکھا تھا کہ بھٹو صاحب نے اپنی کرسی کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر کہا تھا کہ میری یہ کرسی بہت مضبوط ہے' یعنی میں ان مظاہرین سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ لیکن اللہ بھلا کرے بریگیڈیئر محمد اشرف گوندل کا جو لاہور میں بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئے۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہم آئندہ مظاہرین پر فائرنگ نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ یہ کوئی ہندوستان سے آئے ہوئے ہندو تو نہیں ہیں جو یہاں پر جلوس نکال رہے ہیں' یہ ہمارے اپنے لوگ ہیں۔ اس پر دو بریگیڈئیر اور کھڑے ہو گئے اور انہوں نے مظاہرین پر گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ اس طرح بھٹو صاحب کی ''مضبوط کرسی'' ڈول گئی' کیونکہ اس کی مضبوطی کا دارومدار صرف فوج پر تھا۔ چنانچہ اُس نے حزبِ اختلاف کو مذاکرات پر بلا لیا۔ مذاکرات نتیجہ خیز ثابت ہو رہے تھے' لیکن چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق جو حکومت پر قبضہ کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھا تھا' اُس نے اقتدار پر قبضہ کر کے مارشل لاء لگا دیا۔ لیکن چونکہ اُس وقت نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی تحریک پورے جوبن پر تھی لہٰذا اُس نے پہلے دن سے ہی اسلام کا نام لینا شروع کیا۔ گویا اُس نے تحریک نظامِ مصطفیٰ کو ہائی جیک کر لیا۔

جنرل ضیاء الحق نے اپنے اقتدار کا جواز پیدا کرنے کے لیے چند قوانین نافذ کیے۔ اُن میں سے ایک زکوٰۃ آرڈیننس تھا جو زکوٰۃ کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنا۔ بینکوں میں جمع رقوم کے سود میں سے کچھ حصہ کاٹ لیا گیا اور اسے زکوٰۃ کا نام دے دیا گیا۔ ہم دنیا سے

یہ کہتے آئے تھے کہ اسلامی نظام کے اندر زکوٰۃ کے ذریعے سوشل سکیورٹی کا وہ نظام قائم ہوسکتا ہے جو سکینڈے نیوین ممالک کے اندر ہے۔ لیکن ہمارے ہاں ''زکوٰۃ کا نظام'' نافذ ہوگیا اور معاشرے میں بال برابر فرق واقع نہیں ہوا۔ بھوکا اسی طرح بھوکا ہے' نادار اسی طرح نادار ہے' غریب اسی طرح غریب ہے۔ نماز کی ادائیگی کے لیے بھی ایک حکم جاری ہوا تھا اور دفتروں کے اندر ظہر کی باجماعت نماز کی ادائیگی شروع ہوگئی تھی۔ اسی طرح ضیاء الحق صاحب نے ایک حدود آرڈیننس بھی جاری کیا تھا۔ اس میں ان کی نیت خواہ کچھ بھی ہو اس سے قطع نظر' یہ کوئی ایسا آرڈیننس نہیں تھا کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا اور اگلے روز اُس کو نافذ کر دیا۔ اس کی تیاری پر بڑی محنت ہوئی تھی۔ پاکستان میں بھی چوٹی کے ماہرین قانون اور علماء سے مشورہ لیا گیا تھا اور بیرونِ پاکستان کے علماء سے بھی مشورہ لیا گیا تھا۔ قومی خزانے سے اس پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی تھی۔ یہ بات اگرچہ درست ہے کہ نظام کی خرابی کے باعث اس پر کوئی خاص عمل نہیں ہو پایا' لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس آرڈیننس میں ایک خاص اعتبار سے نفاذِ شریعت کی طرف ایک پیش رفت تھی' لیکن اب آ کر اس پیش رفت کو نہ صرف ختم کر دیا گیا ہے' بلکہ یوں سمجھئے کہ ریورس گیئر لگا دیا گیا ہے۔ اب بجائے اس کے کہ حدود قوانین کے ذریعے سے بدکاری کا سدّ باب ہو' اب اس میں ترمیم کر کے فروغِ بدکاری کی طرف پیش قدمی کی گئی ہے اور اس کے بعد فروغِ بدکاری کا ایک دَور شروع ہونے والا ہے جس پر جشن منائے جا رہے ہیں۔

ہمارے حکمرانوں کے بارے میں قرآن کا فتویٰ

حدود آرڈیننس میں اب جو ترامیم کی گئی ہیں' برسر اقتدار طبقے کا ان کے بارے میں یہ کہنا ہے کہ یہ قطعاً خلافِ اسلام نہیں ہیں۔ اس ضمن میں ''مفتیِ اعظم'' کی حیثیت تو پرویز مشرف صاحب کو حاصل ہے جنہیں بڑے بڑے ''مفتیانِ کرام'' دانشوروں کی تائید حاصل ہے۔ پاکستان میں جو مسلّمہ دینی مکاتبِ فکر ہیں ان کے کسی ایک شخص نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ ترامیم خلافِ اسلام نہیں ہیں' لیکن ایک رٹ ہے جو چل رہی ہے۔

جیسے گوئبلز کا اصول تھا (جو ہٹلر کا ساتھی تھا) کہ جھوٹ بولتے رہو' مسلسل بولتے رہو' اس سے لوگ خود بخود سمجھیں گے کہ یہ سچ ہے۔ اس کے علاوہ ان کا کہنا ہے کہ جو لوگ ان ترامیم کی مخالفت کر رہے ہیں' اختلاف کر رہے ہیں وہ تنگ نظر ہیں' رجعت پسند ہیں' ملاّ ٹے ہیں' وہ بسم اللہ کے گنبد میں بند ہیں ــــــ اور یہی نہیں' بلکہ اب یہاں تک ''فتویٰ'' آ گیا ہے کہ وہ منافق ہیں۔ میں نے اسی بات کے جواب کے لیے آغاز میں سورۃ المائدۃ کی آیات کی تلاوت کی ہے۔ یہ سورۃ المائدۃ کا ساتواں رکوع ہے جو اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت عظیم ہے۔ آیت ۴۴ میں فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ﴾

''اور جو لوگ اللہ کے اُتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی تو کافر ہیں۔''

ہمیں منافق کہنے والے سن لیں کہ خود اللہ تعالیٰ انہیں کافر کہہ رہا ہے۔ کافر کے سر پر سینگ تو نہیں ہوتے۔ اقبال نے کہا تھا: ؎

بُتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

اس کے بعد آیت ۴۵ میں فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

''اور جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو ظالم ہیں۔''

یعنی مشرک ہیں۔ یہاں ظالم سے مراد مشرک ہیں۔ سورۂ لقمان میں یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾

''یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

پھر اسی پر بس نہیں' بلکہ تیسری مرتبہ پھر فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

''اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو

فاسق ہیں۔''

یعنی وہی تو ناہنجار ہیں' نابکار ہیں' وہی تو نافرمان ہیں' وہی تو باغی ہیں۔اس رکوع کے آخر میں فرمایا:

﴿اَفَحُکۡمَ الۡجَاهِلِیَّةِ یَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾﴾

''تو کیا یہ جاہلیت کے احکام چاہتے ہیں؟ حالانکہ یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر حکم دینے والا اور کون ہوسکتا ہے؟''

قانون''تحفظِ حقوقِ نسواں'' کے اہداف ومقاصد

یہ جو کچھ بھی ہوا ہے جس پر خوشیاں منائی جارہی ہیں' مٹھائیاں بھی تقسیم ہوئی ہیں' بغلیں بجائی گئی ہیں' اس کے بارے میں ہمارے دانشوران (جن کی حیثیت کرائے کے دانشوروں کی ہے) ابھی مطمئن نہیں ہیں۔ان کے نزدیک یہ تو ابھی پہلا قدم ہے۔تو سوچ لیجیے کہ اس کا آخری قدم کہاں ہوگا جس کی ابتدا یہ ہے؟ یہی بات بش اور بلیئر نے کہی ہے کہ یہ کافی تو نہیں ہے' لیکن چلیے ایک اچھا آغاز ہے۔ان کا معاملہ دراصل اُس روایتی بلی کا سا ہے جس کی دُم کٹ گئی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ سب بلیوں کی دُمیں کٹ جائیں تاکہ میں لنڈوری نہ بن کے رہ جاؤں۔ چنانچہ وہ چاہتے ہیں کہ مغربی تہذیب بتمام وکمال ہمارے ہاں سرایت کر جائے' ہمارے گھٹنوں اور ٹخنوں کے اندر بیٹھ جائے۔اس مقصد کے لیے اربوں اور کھربوں ڈالرز خرچ ہورہے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ ہمارے جو دانشور نظر آ رہے ہیں یہ تو گویا''Tip of the iceberg''ہیں' نیچے نہ معلوم کیا کچھ ہے! این جی اوز کے اوپر کتنا پیسہ خرچ کیا جارہا ہے۔ ہمارے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کو بدلنے کے لیے وہ کروڑ ہا ڈالر خرچ کر رہے ہیں۔کس لیے؟ کیا وہ ہمارے بڑے خیرخواہ اور ہمدرد ہیں؟ نہیں— بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ یہ بچی کھچی تہذیب جو مسلمانوں کے پاس رہ گئی ہے' اس کا بھی جنازہ نکل جائے۔

ہمارا سیاسی نظام تو پہلے ہی ختم کیا جاچکا ہے۔ دجالیت کا پہلا وار یہی تھا کہ مذہب اور

ریاست کو علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔ گویا خدا کو پارلیمنٹ سے نکال باہر کیا گیا کہ یہاں آپ کا کیا کام؟ ہم حاکم ہیں‘ ہم مقتدر (sovereign) ہیں‘ ہمیں عوام نے چنا ہے‘ ہم جو چاہیں گے قانون بنائیں گے۔ دومَردوں کی شادی کو قانونی حیثیت دیں گے۔ آپ کچھ نہیں بول سکتے‘ آپ خاموش رہیں‘ آپ مسجد میں رہیں یا مندر میں بُت کی شکل میں بیٹھے رہیں۔ ہم مسلمانوں نے بھی اس بات کو قبول کر لیا کہ جس طرح ہندو مندر میں جاتے ہیں اور بُتوں کے آگے ماتھا ٹیک کے آجاتے ہیں‘ اسی طرح ہم مسلمان بھی مسجد میں جائیں گے اور اللہ کو رکوع اور سجدہ کر کے آجائیں گے۔ باقی یہ کہ ملک ہمارا ہے‘ اس میں قانون ہم بنائیں گے‘ اللہ کو اس سے کیا سروکار؟ یہ دجالیت کا پہلا وار تھا اور یہ پوری دنیا پر مسلط ہو چکا ہے۔ دجالیت کا دوسرا وار ہمارے معاشی نظام پر سود کی صورت میں ہوا۔ چنانچہ سود پر مبنی بینکنگ سسٹم اور اس کی بنیاد پر سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت پوری دنیا میں فروغ پا گیا۔

اب اگر کچھ باقی رہ گیا تھا تو وہ ہمارا معاشرتی نظام تھا۔ ہماری چادر اور چار دیواری کی کچھ اقدار تھیں‘ کچھ شرم وحیا اور عصمت وعفت کا تصور تھا‘ کچھ خاندان کے ادارے کا احترام اور بزرگوں کی عزت باقی تھی۔ یہ لے دے کر جو باقی تھا اب اس کے اوپر دجالیت کا آخری حملہ شروع ہو چکا ہے۔ چنانچہ آج سے بارہ سال قبل قاہرہ میں آزادیٔ نسواں کی انٹرنیشنل کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کے پانچ سال بعد اس سلسلے کی دوسری کانفرنس بیجنگ میں ہوئی۔ پھر مزید پانچ سال بعد بیجنگ پلس فائیو (5+) کانفرنس ہوئی۔ ان کانفرنسوں پر اربوں روپے خرچ کیے گئے اور پوری دنیا سے وفود بلائے گئے۔

مغربی قوتوں خاص طور پر امریکہ کا معاملہ نوٹ کر لیجیے کہ یہ اپنے ہاں کے دانشوروں کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں۔ مغربی دانشور ہنٹنگٹن نے یہ کہا تھا کہ اب تہذیبوں کا ٹکراؤ (Clash of Civilizations) ہوگا۔ سیاسی اعتبار سے فتح ہماری ہو چکی‘ سیکولرازم کا ڈنکا بج چکا‘ معاشی اعتبار سے بھی فتح ہماری ہو چکی‘ سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام پوری دنیا میں فروغ پا چکا۔ اب تہذیبوں کا ٹکراؤ ہوگا‘ جس میں ہمیں اپنی مغربی تہذیب کو

غالب کرنا ہے۔ اُس نے تجزیہ کرتے ہوئے ٹائن بی کا حوالہ دیا تھا کہ ابتدائے نسلِ آدم سے لے کر آج تک دنیا میں بیس تہذیبیں قائم ہوئی ہیں' ان میں سے بارہ مر چکی ہیں' مکمل طور پر ختم ہو چکی ہیں اور آٹھ باقی ہیں۔ ان میں ایک ہماری مغربی تہذیب ہے' جبکہ سات اور ہیں۔ ان سات میں سے بھی پانچ وہ ہیں جنہیں ہم بڑی آسانی سے اپنے اندر مدغم کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے بڑی مثال ہندی تہذیب کی ہے کہ اس میں اور مغربی تہذیب میں کوئی فرق ہے ہی نہیں۔ وہی گانا بجانا' راگ رنگ' وہی شراب نوشی' وہی رقص و سرود اُن کے ہاں پہلے سے موجود ہے۔ اُنہوں نے ہالی وڈ بنایا' اِنہوں نے بالی وڈ بنا لیا۔ تہذیبی اعتبار سے ان کے مابین کوئی ٹکراؤ (clash) نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ پانچ تہذیبیں تو وہ ہیں کہ جنہیں ہم بآسانی ہضم (assimilate) کر سکتے ہیں' یہ ہمارے اندر مدغم ہو سکتی ہیں' البتہ دو تہذیبیں ہمارے لیے لوہے کے چنے ثابت ہو سکتی ہیں' لہٰذا ان کے لیے کچھ محنت کرنی پڑے گی۔ ایک مسلم تہذیب اور دوسری چین کی کنفیوشین (Confucian) تہذیب۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلی کانفرنس قاہرہ میں منعقد کی جو عرب مسلم ورلڈ کا قلب ہے۔ دوسری کانفرنس بیجنگ میں ہوئی جو کنفیوشین تہذیب کا مرکز ہے۔ تیسری کانفرنس اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے زیر اہتمام ہوئی' جسے بیجنگ پلس فائیو کانفرنس کا نام دیا گیا۔

اس تیسری کانفرنس میں جو ایجنڈا منظور کیا گیا وہ ان کی آخری منزل ہے جس کی طرف ہم نے پیش قدمی کا آغاز کر دیا ہے۔ اسی لیے تو بش اور بلیئر نے بھی کہا ہے کہ یہ ایک اچھا قدم ہے لیکن ابھی کم ہے' تمہیں مزید کرنا ہوگا (Do more!)۔ یہ لفظ ہمیں مختلف اعتبارات سے سننا پڑ رہا ہے۔ مثلاً تم نے کشمیر کے اندر جہادی تحریکیں ختم کر دیں' لیکن ابھی تمہیں اور کرنا ہوگا (Do more!)۔ تم نے القاعدہ کے لوگ پکڑ پکڑ کر ہمارے حوالے کر دیئے' طالبان کو بھی تم کنٹرول کر رہے ہو' لیکن یہ کافی نہیں (Do more!)۔ اسی طرح یہ بھی تم نے ایک اچھا قدم اٹھایا ہے کہ ہماری تہذیب کی طرف تمہاری پیش رفت ہو رہی ہے' لیکن یہ ناکافی ہے (Do more!)۔

بیجنگ پلس فائیو کانفرنس جو یو این او کی جنرل اسمبلی کے زیر اہتمام ہوئی اس کی چند سفارشات ملاحظہ کیجیے:

☆ عصمت فروشی (prostitution) کو ہرگز کوئی بری اور قابل حقارت شے نہ سمجھا جائے۔ یہ بھی ایک قابل احترام پیشہ ہے۔ چنانچہ طوائفوں (prostitutes) کے لیے اب ''sex workers'' کی جدید اصطلاح وضع کر لی گئی ہے۔

☆ ہم جنس پرستی (homosexuality) کو کوئی غیر طبعی یا abnormal رجحان نہ سمجھا جائے۔ یہ بھی انسانوں کا ایک نارمل طبعی میلان ہے' لہٰذا ایسے لوگوں کو حقارت سے نہ دیکھا جائے۔ مرد مرد سے شہوت رانی کرے یا عورت عورت سے' یہ ان کا حق ہے۔

☆ شادی کے بعد عورت اور مرد کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے تو عورت بھی مرد کو طلاق دے سکتی ہے۔ گھر کا کام کاج عورت کی ذمہ داری نہیں ہے' وہ کرے گی تو مَرد سے اُجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ پھر اگر وہ حمل اور وضع حمل کی تکلیف برداشت کرے گی تو اس پر بھی شوہر سے معاوضہ طلب کر سکتی ہے۔ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ اگر کسی وقت بیوی کی طبیعت ہم بستری پر آمادہ نہ ہو اور شوہر اسے مجبور کرے تو یہ بھی زنا بالجبر شمار ہوگا۔ اسے شادی کے بندھن میں زنا بالجبر (marital rape) کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ شق ہمارے تحفظِ حقوقِ نسواں قانون میں بھی آ گئی ہے۔

یہ وہ منزل ہے جہاں یہ جانا چاہتے ہیں اور اس کی طرف ابھی یہ پہلا قدم ہے۔ اس کے لیے راستے کھول دیے گئے ہیں۔ یہ ہضم ہو جائے گا تو اس سے بڑی doze آ جائے گی۔ لیکن یہ ایک انٹرنیشنل پروگرام ہے' یہ کوئی گھر کی بات نہیں ہے۔ یہ محض صدر مشرف صاحب کا معاملہ نہیں ہے کہ ان ہی کے دماغ میں کوئی خلل واقع ہو گیا ہو' بلکہ یہ آزادیٔ نسواں کی عالمی تحریک ہے۔

علماءِ کرام کا لائقِ تحسین کردار

میں اب تک اس معاملے میں بالکل خاموش رہا ہوں اور میرا کوئی بیان آپ نے نہیں دیکھا ہوگا۔ مجھ سے اخبارات والے بھی یہ چاہتے رہے اور ٹی وی کے مختلف چینلز کے لوگ بھی تقاضا کرتے رہے کہ آپ بھی اس مسئلہ پر کوئی بیان دیں' مگر میں نے نہیں دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اصلاً قرآن حکیم کا طالب علم ہوں' فقہ کے میدان کا آدمی نہیں ہوں۔ یہ سپیشلائزیشن ہماری دنیا کے اور میدانوں میں تو ہے لیکن دین و مذہب کو یتیم سمجھ لیا گیا ہے کہ جس نے چار لفظ پڑھ لیے گویا وہ ہر اعتبار سے رائے دینے کا اہل ہو گیا۔ بعض لوگ میرے پاس آ کر مجھے مجبور کیا کرتے ہیں کہ آپ اس فقہی معاملے میں رائے دیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ میرا فیلڈ نہیں ہے۔ وہ اصرار کرتے ہیں کہ نہیں جی آپ تو قرآن مجید کے بہت بڑے عالم ہیں! میں کہتا ہوں کہ انسان کے چہرے پر کان بھی ہیں اور آنکھیں بھی۔ کان اور آنکھ کے مابین محض تین چار انچ کا فاصلہ ہوگا' لیکن کان کا ڈاکٹر علیحدہ ہے' آنکھ کا علیحدہ ہے۔ کیا آپ کبھی آنکھ والے ڈاکٹر کو کان دکھاتے ہیں؟ حالانکہ ڈاکٹر تو وہ بھی ہے' ایم بی بی ایس تو وہ بھی ہے۔ آپ آنکھ والے ڈاکٹر کو کان نہیں دکھاتے اور کان والے ڈاکٹر کو آنکھ نہیں دکھاتے' اس لیے کہ ان کی فیلڈ الگ الگ ہے۔ اسی طرح میری یہ فیلڈ نہیں ہے۔

میں نے فقہ کی تعلیم حاصل نہیں کی۔ میں تو قرآن کا فلسفہ' قرآن کا فکر' قرآن کی ہدایت اور قرآن کی حکمت بیان کرتا ہوں۔ قرآن کیا مقاصد سامنے لاتا ہے' قرآن ہماری کیا ذمہ داریاں بیان کرتا ہے' قرآن ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے' اسی پیغام کے سمجھنے سمجھانے' پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے میں مَیں نے اپنی زندگی صرف کر دی ہے اور مَیں اس پر مطمئن ہوں' خوش ہوں ؏ ''شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم!'' میں خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا' مجھے توفیق دی کہ میں یہ کام کر سکوں۔ جبکہ فقہ میرا موضوع نہیں ہے۔ خاص طور پر کوڈیفائیڈ قانون جو دفعات' ذیلی دفعات اور شقوں پر مشتمل ہوتا ہے' اس سے میری ذہنی مناسبت ہی نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف مجھے یہ اطمینان تھا کہ ملک میں

اسلامی فقہ کے بے شمار ماہرین موجود ہیں۔ یہ جو ہزاروں مدرسے ہیں یہ فقہ ہی تو پڑھا رہے ہیں۔ یہاں سے نکل کر لوگ مفتی بنتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں فقہ کے ماہرین کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اگرچہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے علمائے کرام مثبت طور پر اسلام کو ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے دوبارہ قائم اور نافذ کرنے کے معاملے میں بہت پیچھے ہیں، معلوم ہوتا ہے ان کے سامنے یہ مقصد ہے ہی نہیں، لیکن اسلام کے دفاع کے معاملے میں وہ بہت حساس ہیں۔ اگر اسلام میں کوئی نئی بات شامل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کی حفاظت کے لیے علمائے کرام سینہ سپر ہو جائیں گے۔ چنانچہ ختم نبوت کی مہر توڑنے کے لیے غلام احمد قادیانی آیا تو مقابلے کے لیے علماء آ گئے۔ دو مرتبہ ۱۹۵۳ء میں اور ۱۹۷۴ء میں تحفظِ ختم نبوت کی عظیم تحریکیں چلیں اور بالآخر اس ملک میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ ہو گیا، اور یہ فیصلہ ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوا جو انتہائی سیکولر تھا۔

ہمارے علماء دین کے دفاع اور اس کے تحفظ کے لیے چوکس ہیں، چاق وچوبند ہیں، اور اُن میں اس کی استعداد موجود ہے۔ ان کا رابطہ عوام کے ساتھ ہے۔ ہر جامع مسجد میں ہر جمعہ کو ایک جلسہ ہوتا ہے۔ آپ کو کوئی چھوٹی سی کارنر میٹنگ بھی کرنا ہو تو نمعلوم کتنے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ اس کے اشتہارات دیجیے، پوسٹر لگوایئے، ڈھنڈورا پٹوایئے، کوئی شامیانہ لگایئے اور اس میں کرسیاں بچھایئے۔ پھر بھی چند لوگ بمشکل جمع ہوں گے۔ جبکہ یہاں لوگ کچے دھاگے سے بندھے ہوئے چلے آ رہے ہوتے ہیں۔ تو یہ جو exposure ملتا ہے اس کی بنا پر علماء کے اندر دین کے دفاع اور دین کی طرف سے مدافعت کی صلاحیت ہے۔ دراصل آگے بڑھ کر حملہ کرنا (offense) اور دفاع (defence) دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ ہمارے علماء کے پیش نظر اصلاً دین کا دفاع ہے کہ کوئی غلط اور گمراہ کن چیز دین میں شامل نہ ہونے پائے۔ اس کے لیے ان کے اندر بھرپور صلاحیت بھی ہے اور اس محاذ پر وہ مستعد بھی ہیں۔ البتہ باطل نظام کے خلاف حملہ کر کے اسے جڑ سے اکھیڑ کر اسلام کے نظام کو نافذ کرنے کی جدوجہد، اس کے تقاضے اور اس کا طریقہ کار ان کی سوچ

اور فکر کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔

بہر حال علماء کرام کے ساتھ جو میرا حسنِ ظن تھا اُس کا انہوں نے بھرپور مظاہرہ کیا ہے اور تمام مکاتیب فکر کے چوٹی کے علماء نے بیک زبان کہا ہے کہ یہ قانون غیر اسلامی ہے' یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ بعض حضرات نے اس بل کا تفصیلی تجزیہ کر کے مضامین تحریر کیے ہیں۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا مضمون جو اخبارات میں شائع ہوا ہے وہ انتہائی اہم اور چشم کشا ہے۔ تقی عثمانی صاحب شریعت کورٹ کے جج رہے ہیں' پھر سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں رہے ہیں۔ انہوں نے ۲۷ برس تک یہ کام کیا ہے۔ پھر وہ بہت بڑے مفتی بھی ہیں' لہٰذا قانونی موشگافیوں سے خوب واقف ہیں۔ اسی طرح قاری محمد حنیف جالندھری صاحب کے مضامین بھی بہت عمدہ' بہت چشم کشا' بہت معلوماتی اور علمی ہیں۔ اگر چہ مجھے ان حضرات سے تھوڑا سا شکوہ یہ ہے کہ انہوں نے اس معاملے میں تاخیر سے کام لیا ہے۔ ہمارے ہاں ایک خاص ٹی وی چینل نے حدود آرڈیننس کے خلاف بھرپور مہم چلا رکھی تھی اور ان کے اخبار میں بھی اس پر پورے پورے صفحے کے مضامین اور اشتہار شائع ہو رہے تھے' لیکن یہ حضرات خاموش رہے۔ انہیں اُسی وقت میدان میں آ جانا چاہیے تھا اور کھل کر بات کرنی چاہیے تھی۔

علماء کی ایک اور بہت بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ایک دوسرا بل جو آنے والا ہے اور وہ واقعتاً ''حقوق نسواں بل'' شمار کیا جا سکتا ہے' یہ اصل میں علماء کا کام تھا کہ وہ یہ بل خود پیش کرتے۔ ہمارے ہاں عورتوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے' اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لوگ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بڑے بڑے جاگیر دار بیٹیوں کی شادیاں قرآن کے ساتھ کر دیتے ہیں اور وہ ساری عمر بیٹھی رہتی ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ ہماری لڑکی کہیں اور جائے اور وہاں سے کوئی مطالبہ آ جائے کہ اس کا وراثت کا حصہ ادا کرو۔ اس کے علاوہ وِنی اور غیرت پر قتل وغیرہ کے معاملے ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ علماء ان مسائل کو لے کر کھڑے ہوتے اور یہ کریڈٹ انہیں جاتا کہ یہ خواتین کے حقوق کے پاسبان ہیں۔ ان تمام امور پر اب جو بل آ رہا ہے وہ واقعتاً حقوقِ نسواں کا بل ہوگا' اگر اس میں بھی

کوئی اورآمیزش نہ کردی جائے۔اس لیے کہ بکری دودھ تو دیتی ہے' مگر اس میں مینگنیاں ڈال دیتی ہے۔ بہر حال علماء کرام نے اس سلسلے میں جو بھی کام کیا ہے میں اس کی تحسین کرتا ہوں۔اس بارے میں ندائے خلافت کا ایک خصوصی شمارہ (نمبر۴۳) شائع کیا گیا ہے' جس میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب' قاری محمد حنیف جالندھری صاحب اور دیگر اہل علم کے مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں اور اس بل کا مکمل متن بھی دے دیا گیا ہے۔اس شمارے کا آپ خود بھی مطالعہ کریں اور اسے عام بھی کریں۔

میں نے آپ کو اس بل کے اصل مقصد سے آگاہ کر دیا ہے کہ دراصل یہ پاکستان میں فروغِ بدکاری کا پیش خیمہ ہے۔مغربی تہذیب نے یورپ اور امریکہ میں جو تباہ کاری پھیلائی ہے اور جس طرح ان کا خاندانی نظام تباہ ہوا ہے' اسی تباہی کو وہ یہاں فروغ دینا چاہتے ہیں۔امریکہ کے سابق صدر بل کلنٹن نے اپنے ایک خطاب میں کہا تھا کہ عنقریب ہماری قوم کی اکثریت حرام زادوں (born without any wedlock) پر مشتمل ہوگی۔ظاہر ہے کہ جس بلی کی دُم کٹ گئی ہو وہ کسی دوسری بلی کو دُم کے ساتھ نہیں دیکھ سکتی۔ لہٰذا وہ اپنی تہذیب ہم پر مسلط کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔وہاں تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب انہوں نے مختلف فارموں میں بنیادی کوائف کے ضمن میں باپ کے نام کا خانہ ہی نکال دیا ہے۔اس لیے کہ اکثر بچوں کو معلوم ہی نہیں کہ ان کا باپ کون ہے۔لہٰذا باپ کی جگہ اب ماں کا نام تحریر کیا جاتا ہے۔تو اصل میں یہ ہے وہ منزل جہاں ہمیں لے جایا جا رہا ہے۔اعاذنا اللہ من ذلک!

نفاذِ شریعت اسلامی کے چند لوازم

اس ضمن میں اب میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔سب سے پہلی بات یہ کہ اس بل کی منظوری نے ایک دلیل کا بودا پن ثابت کر دیا ہے۔ ہمارا موقف ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ اسلام کا نفاذ انتخابات میں حصہ لے کر ممکن نہیں ہے۔اسی ایشو پر میں ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوا تھا۔ جماعت اسلامی شروع میں ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت تھی' لیکن ۱۹۵۱ء کے الیکشن میں حصہ لے کر وہ ایک اسلام پسند قومی سیاسی

جماعت بن گئی۔ اس کے بعد سے وہ مسلسل انتخابات میں حصہ لے رہی ہے۔ اس کے علاوہ بعض دوسری مذہبی سیاسی جماعتیں بھی انتخابات میں حصہ لیتی ہیں۔ ان جماعتوں کا یہ کہنا تھا کہ ٹھیک ہے آج تک ہم الیکشن میں حصہ لے کر یہاں اسلام نافذ نہیں کر سکے‘ لیکن ہم نے یہاں غیرِ اسلام کو بھی تو نہیں آنے دیا۔ اب ان کی یہ دلیل ختم ہو گئی ہے۔ گزشتہ الیکشن میں متحدہ مجلس عمل کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی‘ جس کے نتیجے میں ایک صوبے کی پوری حکومت ان کے پاس ہے اور دوسرے صوبے کے اندر بھی ان کا بڑا حصہ ہے۔ مرکز میں اپوزیشن لیڈر بھی جے یو آئی کے سربراہ ہیں‘ لیکن ایک خلافِ اسلام بل قومی اسمبلی اور سینٹ کی منظوری سے قانون کا درجہ حاصل کر گیا اور یہ کچھ بھی نہیں کر سکے۔

دوسری بات یہ ثابت ہو گئی ہے کہ ایک ایسے نظام میں جس میں ہمہ گیر طور پر اسلام نہ ہو‘ بلکہ الحاد اور کفر کا پلہ بھاری ہو‘ غیر اسلامی ماحول ہو‘ ایک آدھ اسلامی قانون بنانے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا‘ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ حدود آرڈیننس ایک اسلامی قانون تھا۔ یہ کسی ایک جرنیل کے دماغ کی اُپچ نہیں تھا‘ بلکہ یہ پاکستان اور بیرونِ ملک کے علماء اور ماہرینِ قانون کی مدد لے کر بنایا گیا تھا۔ لیکن ایک ہمہ گیر نظام جس میں ہر چیز غیر اسلامی ہو‘ وہاں آپ اسلام کا ایک قانون لا کر نافذ کرنا چاہیں تو یہ درحقیقت اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ چنانچہ ایک ایسے معاشرے میں زنا کے جرم پر حد کا نفاذ جہاں زنا کے داعیات اور محرکات بھرپور طور پر موجود ہوں‘ معقول بات نظر نہیں آتی۔ پہلے ان دروازوں کو تو بند کیا جائے۔ یہ بے پردگی اور مخلوط معاشرت ختم کی جائے۔ بے حجاب عورتیں لوگوں کی نگاہوں میں کھبنے کے لیے نیم عریاں ہو کر بن سنور کر پھرتی ہیں۔ بل بورڈز کے اوپر کیسی کیسی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ آپ کے اخبارات میں فلموں کے جو اشتہارات آتے ہیں وہ آپ کے بچوں کی نگاہوں سے بھی گزرتے ہوں گے۔ پھر آپ کا الیکٹرانک میڈیا کیا گل کھلا رہا ہے! عریانی اور فحاشی کو کس درجے فروغ دیا جا رہا ہے۔ اگر اس سب کی روک تھام نہیں‘ مخلوط معاشرت

کا سدّ باب نہیں‘ ستر وحجاب کی پابندی نہیں اور شادی بیاہ کا معاملہ آسان نہیں تو گویا آپ نے زنا کا دفتر کھولا ہوا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بچوں کے جوان ہوتے ہی ان کی شادی کی فکر کرو‘ دیر مت کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ والدین کی طرف سے بچوں کی شادی میں تاخیر کے باعث اگر کوئی نوجوان لڑکا یا لڑکی غلط راستے پر پڑ جائے تو اس کے مجرم والدین ہوں گے۔ ان سارے داعیات اور محرکات کو ختم کر کے پھر زنا کی سزا نافذ کی جائے تب تو کوئی بات ہوگی۔

مزید یہ کہ جب تک معاشرے کی اخلاقی سطح بلند نہیں ہوتی اسلامی قانون کا نفاذ صحیح طور پر نہیں ہوسکتا۔ اگر ہماری پولیس‘ جیلوں کے عملے‘ وکیلوں اور ججوں میں ایمان اور دیانت داری نہیں ہے تو اسلامی قانون ان کے ہاتھ میں کھیل بن جائے گا۔ چنانچہ حدود آرڈیننس کے نفاذ کے بعد بہت عرصے تک یہ بات کہی جاتی رہی کہ اس کا فائدہ پولیس والوں کو ہوا ہے کہ ان کی رشوت کا ریٹ بڑھ گیا ہے۔ وہ ایک معقول رقم کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر اتنی رقم دے دو گے تو عام قانون کے تحت پرچہ کٹے گا‘ ورنہ حدود کے تحت پرچہ کاٹ دیا جائے گا۔ اس طرح ان کے لیے رشوت خوری کا راستہ کھل گیا۔ اسی طرح گواہوں کا معاملہ ہے کہ آپ ایمان دار اور سچ بولنے والے گواہ کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں گے؟ یہ جنسِ نایاب آپ کو کہاں سے ملے گی؟ سچی گواہی دیتے ہوئے لوگ ویسے ہی ڈرتے ہیں کہ فلاں بدمعاش اور فلاں جتھے دار کے خلاف گواہی کیسے دیں۔ یہ تو اپنی جان اور عزت وآبرو کو خطرے میں ڈالنا ہے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر جب تک آخرت کا یقین نہ ہو کوئی اسلامی قانون صحیح معنوں میں مؤثر نہیں ہوسکتا۔ یہ محاسبۂ اُخروی کا یقین ہی تو تھا جس کی بنا پر لوگوں نے خود اقبالِ جرم کیا۔ دورِ نبویؐ کے بیشتر واقعات ایسے ہی ہیں‘ ورنہ زنا کے سلسلے میں جہاں سزا انتہائی سخت ہے وہاں اس کے لیے گواہی کا نصاب بھی انتہائی سخت ہے۔ چار چشم دید گواہوں کا جمع ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لیکن بندۂ مؤمن کو اس کا نفسِ لوّامہ اور محاسبۂ اُخروی کا خوف چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ چنانچہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ ﷺ کے

پاس آتے ہیں کہ حضورﷺ مجھ سے وہ گناہ سرزد ہوگیا ہے' آپؐ مجھے پاک کر دیجیے! آپؐ اعراض فرماتے ہیں' لیکن وہ بار بار یہی بات عرض کرتے ہیں۔ حضورﷺ فرماتے ہیں کہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہے؟ عرض کرتے ہیں حضور نہیں' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپؐ اہل مجلس سے فرماتے ہیں کہ دیکھو اس نے کوئی نشہ تو نہیں کیا ہوا جس کی وجہ سے یہ بات کہہ رہا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ رجم کی سزا ملے گی اور پھر بھی وہ کہہ رہے ہوں کہ نہیں مجھے پاک کر دیجیے' مجھے آخرت کی سزا سے بچا لیجیے۔ یہ معاملہ تو اقدار (values) کا ہے۔ وہاں کوئی مستغیث نہیں تھا' کوئی مدعی نہیں تھا۔ اب آپ سوچیے ایسی ایک مثال بھی آپ کے معاشرے میں قائم ہو جائے تو کیا برائی کی جڑ نہیں کٹ جائے گی؟

رسول اللہﷺ کے پاس ایک غامدیہ خاتون آتی ہے کہ حضور مجھ سے وہ خطا سرزد ہوگئی ہے' مجھے پاک کر دیجیے۔ آپؐ فرماتے ہیں شاید تمہیں حمل رہ گیا ہو۔ اُس نے کہا ہاں حمل تو ہے۔ آپؐ اسے واپس بھیج دیتے ہیں کہ جرم تمہارا ہے' اس جان کا کیا قصور ہے۔ جاؤ' وضع حمل کے بعد آنا۔ وضع حمل کے بعد وہ پھر آتی ہے کہ حضور یہ بچہ پیدا ہوگیا ہے' اب مجھے پاک کر دیجیے۔ آپؐ فرماتے ہیں ابھی تو اس کا وجود تمہاری ذات پر منحصر ہے' جاؤ اسے دودھ پلاؤ۔ کچھ عرصے کے بعد وہ پھر آجاتی ہے' بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا ہے۔ عرض کرتی ہے حضورؐ! اب یہ روٹی کھانے کے قابل ہوگیا ہے۔ تب آپﷺ حکم دیتے ہیں اور وہ عورت رجم کی جاتی ہے۔ اہلِ مجلس میں سے کسی نے کہہ دیا کہ کتنی بے حیا عورت تھی! حضورؐ نے فرمایا نہیں' اس نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینے کے رہنے والے سب لوگوں پر تقسیم کر دی جائے تو سب کی نجات کا ذریعہ بن جائے گی۔

دورِ نبویؐ کا تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک خاتون فجر کی نماز کے وقت نکلیں تو کسی شخص نے انہیں راستے میں دبوچ لیا اور ان سے زنا بالجبر کیا۔ ان کی چیخ و پکار پر لوگ جمع ہوئے تو وہ شخص بھاگ گیا۔ ان کی شکایت آئی تو انہوں نے نام لیا کہ میرے خیال میں فلاں شخص تھا۔ حضورﷺ نے اسے بلایا تو اُس نے اقبالِ جرم کر لیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک اور

شخص آ گیا اور کہنے لگا کہ نہیں یہ جھوٹ بول رہا ہے' یہ جرم اس نے نہیں میں نے کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلا شخص کسی وجہ سے اصل مجرم کو بچانا چاہتا ہوگا' لہٰذا وہ اس کا گناہ اپنے سر لینے کو تیار تھا۔ لیکن اصل مجرم ضمیر کی خلش کے ہاتھوں مجبور ہو کر دربارِ نبویؐ میں پیش ہو گیا اور اسے رجم کیا گیا۔

چنانچہ اسلامی حدود کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ پہلے آپ اس کے داعیات اور محرکات کا بھی سدّ باب کریں۔ آپ معاشرے کے اندر وہ کیفیات پیدا کریں کہ لوگوں کا گناہ کی طرف رجحان ہی نہ ہو۔ پھر آپ کا عدالتی نظام دیانت دارانہ ہو' آپ کی پولیس دیانت دار ہو' رشوت خور نہ ہو۔ پھر یہ کہ لوگوں کے اندر ایمان و یقین ہو' اُن کا ضمیر زندہ ہو۔ دراصل اسلامی نظام ایک وحدت ہے' جس میں ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر فٹ بیٹھتی ہے۔

اسلامی سزاؤں کی حکمت

اسلامی حدود کے مطابق غیر شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا سو کوڑے اور شادی شدہ کی سزا رجم' یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کرنا ہے۔ اور اگر کسی پر زنا کا الزام لگا دیا جائے اور چار گواہ پیش نہ کیے جائیں تو قذف کی سزا ہوتی ہے' یعنی الزام لگانے والے کو اسّی کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ ان سزاؤں میں جو حکمت ہے وہ اللہ ہی کے قانون میں ہو سکتی ہے' انسانوں کے بس میں نہیں۔ اگر جرم شدید نوعیت کا ہے تو اس کے لیے سزا بھی انتہائی سخت رکھی گئی ہے جس کو دیکھ کر لوگ کانپ اٹھیں۔ لیکن اس کے لیے گواہی کا نصاب بھی بہت سخت ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی شخص نے کوئی غلط کام دیکھا ہے' مگر اس کے پاس چار گواہ نہیں ہیں تو وہ چپ رہے' تاکہ برائی کی تشہیر تو نہ ہو۔ یہاں جس کے جی میں جو آتا ہے الزام لگا دیتا ہے۔ چٹ پٹی خبر جس اخبار کو مل جاتی ہے وہ بلا تحقیق لگا دیتا ہے۔ ''باپ نے بیٹی کے ساتھ زنا کیا'' خبر لگ جاتی ہے۔ اصل حقیقت کیا ہے' یہ اللہ جانے' لیکن برائی کی تشہیر خواہ مخواہ ہو رہی ہے' تو اس کا راستہ روکنے کے لیے قذف کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ اسلام کی سزاؤں میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ یہ عبرت ناک ہیں' جنہیں بے نظیر بھٹو

وحشیانہ کہتی ہیں۔ عبرت ناک سزا کی حیثیت deterrent (سدّ راہ) کی ہوتی ہے جس سے جرم ختم ہو جاتا ہے۔ سعودی عرب میں اس کی مثال پہلے سے چلی آ رہی تھی اور ہمارے پڑوسی ملک افغانستان میں طالبان کے زمانے میں اس کی مثال پیدا ہوگئی تھی۔

اسلامی سزاؤں کے ضمن میں ایک خاص بات یہ پیش نظر رہے کہ یہ جسمانی سزائیں ہیں۔ قید کی سزا اسلامی نہیں ہے۔ ہمارے نئے قانون میں قذف کی سزا پانچ سال قید رکھ دی گئی ہے۔ قید تو درحقیقت ایک انتہائی نامناسب شے ہے۔ وہ سزا قیدی کو نہیں' اس کے گھر والوں کو ملتی ہے۔ کسی نوجوان کو آپ نے پانچ سال کے لیے قید میں ڈال دیا تو وہ جیل سے بڑا پختہ جرائم پیشہ بن کر نکلے گا۔ اگر کوئی فیملی والا ہو تو اس کی فیملی پانچ سال اس حال میں گزارے گی کہ ان کا کوئی سربراہ نہیں' ان کا کوئی نگہبان نہیں۔ اولاد کے سر پر کوئی بڑا نہیں ہے۔ یہ انتہائی غیر فطری سزا ہے۔ یہ سزا اُس شخص کو نہیں' اس کے متعلقین کو مل رہی ہوتی ہے۔ اسلام کی سزا یہ ہے کہ جرم کی نوعیت کے مطابق مجرم کو کوڑے لگائے جائیں' تاکہ اس کے جرم کی سزا خود اس کو ملے۔ اور پھر یہ کہ اسے سزا برسرِ عام دی جائے۔ جب کسی پر حد جاری کی جائے تو اہل ایمان کی ایک جماعت کو موجود ہونا چاہیے' تاکہ لوگ دیکھیں اور انہیں عبرت حاصل ہو جائے۔

نظامِ اسلامی کے قیام کا واحد راستہ

قیامِ نظامِ اسلامی اور نفاذِ شریعت اسلامی کا صرف ایک راستہ ہے۔ یہ کام الیکشن لڑ کر کبھی نہیں ہوگا' قیامت تک نہیں ہوگا۔ اسمبلی میں مذہبی جماعتوں کے نمائندوں کی موجودگی کے باوجود موجودہ قانون کی منظوری ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ جو لوگ ابھی تک اس مغالطے میں ہیں کہ سیاسی عمل کا جزو بن کر وہ یہاں کوئی بنیادی تبدیلی لا سکتے ہیں' اس بل کی منظوری سے ان کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ قیامِ نظامِ اسلامی کا راستہ صرف یہ ہے کہ پہلے ایسے لوگوں کی ایک منظّم اور مضبوط جماعت پیدا کی جائے جو اپنے وجود پر اور اپنے گھروں میں اسلام نافذ کر چکے ہوں' اور پھر وہ ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر کے سمع و طاعت کے اندر بندھ جائیں کہ جو حکم دو گے مانیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے

بارہ برس تک مکے میں محنت کر کے جو کام کیا وہ یہی تھا۔ جو لوگ آپؐ کی دعوت پر لبیک کہہ کر آپؐ کے گرد جمع ہوئے آپؐ نے ان کے دلوں میں ایمان و یقین پیدا کیا۔ اللہ کا یقین' آخرت کا یقین' رسالت کا یقین پیدا کیا۔ ان لوگوں نے اپنی ذات پر اور اپنے گھر میں دین نافذ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر کے غلبۂ دین کی جدوجہد میں شامل ہو گئے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا وَعَلٰی اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ وَعَلٰی اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ (متفق علیہ)

''ہم نے بیعت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ سے کہ آپؐ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے' چاہے آسانی ہو چاہے مشکل ہو' چاہے ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں چاہے ہمیں ان پر جبر کرنا پڑے' چاہے آپ دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دیں' اور یہ کہ جنہیں آپ ہمارا امیر بنائیں گے ان سے جھگڑیں گے نہیں (ان کا بھی حکم مانیں گے) اور یہ کہ حق بات ضرور کہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں گے (حق بات کے چھپانے کا جرم نہیں کریں گے' اپنا مشورہ ضرور دیں گے' اس کے بعد فیصلہ امیر کے ہاتھ میں ہوگا) اور ہم اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے''۔

اسلامی نظمِ جماعت میں فیصلہ ایک امیر کے ہاتھ میں ہوتا ہے' جبکہ متحدہ محاذوں کا معاملہ یکسر مختلف ہے۔ چند سال پہلے کی بات ہے' میں نے ایک تصور دیا تھا کہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ انتخابات میں حصہ لے کر یہاں اسلام لایا جا سکتا ہے وہ اپنا ایک اتحاد بنا لیں' تب تو شاید انہیں کچھ حاصل ہو جائے' اور جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظام کا قیام انتخابی عمل سے نہیں بلکہ انقلابی عمل سے ہوگا تو وہ اپنا ایک محاذ بنائیں۔ چنانچہ ہم نے ایک ''متحدہ اسلامی انقلابی محاذ'' بنایا تھا۔ تنظیم اسلامی اس کے بنانے والوں میں سے تھی۔ اس میں تحریک اسلامی شامل ہوئی تھی' جو جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے لوگوں کی جماعت ہے۔ مولانا اکرم اعوان صاحب کی جماعت الاخوان بھی اس میں شامل ہوئی تھی۔ اہل حدیث حضرات کا بھی ایک دھڑا اس میں شامل ہوا تھا۔ اُس وقت

میں نے قاضی حسین احمد صاحب کو فون کیا کہ میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے میرا اکرام کیا (میں عمر میں ان سے بڑا ہوں' جمعیت میں مَیں سینئر تھا) اور کہا کہ میں خود آ جاتا ہوں۔ میں نے کہا تشریف لے آئیں' یہ میرے لیے اعزاز ہے۔ وہ تشریف لائے تو میں نے انہیں اس محاذ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ کہنے لگے کہ نہیں ڈاکٹر صاحب! ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ آئندہ کسی متحدہ محاذ میں شریک نہیں ہوں گے' اس لیے کہ محاذ بننے کے فوراً بعد قیادت کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس کا قائد کون ہو گا؟ ان کی بات صد فیصد درست تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے کچھ عرصے کے بعد انہوں نے ایم ایم اے کا اتحاد قائم کر لیا۔ اس کے لیے ان کے پاس دلائل ہوں گے جن کی بنیاد پر انہوں نے اپنی رائے بدل دی۔ لیکن متحدہ محاذوں کا معاملہ اکثر و بیشتر یہی ہوتا ہے کہ ساجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹتی ہے۔ لہٰذا ایک منظّم جماعت ہونی چاہیے جس کا نظم بیعت کی بنیاد پر ہو۔ جس شخص کے علم اور فہم پر' اس کی دیانت پر' اس کی امانت پر آپ کو اعتماد ہے اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ فیصلے کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہو۔ اس جماعت میں وہ لوگ شامل ہوں جو اپنے وجود پر اور اپنے گھر میں اسلام نافذ کر چکے ہوں۔ اگر فحاشی' بے حیائی اور بے پردگی کے خلاف نعرے لگانے والوں کے اپنے گھروں میں پردہ نہ ہو تو یہ اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی بات ہے۔ سورۃ الصّف میں ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳﴾

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں ہو''۔

یہ جماعت جب اس قدر منظّم اور مضبوط ہو جائے کہ وہ سمجھے کہ اب ہم مقابلے میں آ سکتے ہیں تو میدان میں آئے اور منکرات کو چیلنج کرے کہ اب یہ کام ہم نہیں ہونے دیں گے۔

متحدہ مجلس عمل نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی ہوئی تو ہم اسمبلیوں میں نہیں بیٹھیں گے۔ لیکن اب اس مسئلے پر ایم ایم اے میں شامل جماعتیں انتشار کا شکار ہوگئی ہیں اور اُن لوگوں کی بات سچ ہوتی نظر آ رہی ہے جنہوں نے کہا تھا کہ یہ اسمبلیوں سے کبھی مستعفی نہیں ہوں گے۔ جماعت اسلامی کا موقف تھا کہ اس مسئلے پر ہمیں پارلیمنٹ سے استعفے دے دینے چاہئیں اور قاضی صاحب اس موقف پر آخری وقت تک اَڑے رہے' لیکن اب انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے ہیں اور دلیل یہ دی ہے کہ محاذ کا بچانا زیادہ اہم ہے۔ اس سے مذہبی جماعتوں کا امیج بہت زیادہ مجروح ہوا ہے اور یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یہ بھی سارا ایک سیاسی کھیل تھا اور کچھ نہیں۔ میں یہاں مذہبی جماعتوں اور علماء کرام میں فرق کر رہا ہوں۔ علماء کرام نے جو کام کیا ہے میں نے اس کی تحسین کی ہے۔ انہوں نے کوشش کی تھی کہ صدر پرویز مشرف سے ملاقات ہو جائے' انہوں نے ٹائم نہیں دیا۔ لیکن شجاعت صاحب نے بلایا تو وہ حاضر ہو گئے ع ''میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا!'' اس ملاقات میں انہوں نے سمجھانے کا حق ادا کیا' اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن مذہبی جماعتوں نے' جو سیاسی بھی ہیں نیم سیاسی بھی' وہ صورت حال پیدا کر دی ہے کہ ؎

''پہلے ہی اپنی کون سی ایسی تھی آبرو
پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی!''

ان کی پہلے ہی ایسی کون سی اعتباریت (credibility) تھی جس کا انہوں نے دھیلا کروا لیا ہے! میری رائے میں پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور نفاذِ شریعت کے لیے عوامی سطح پر ایک پُرامن اور منظّم تحریک کی ضرورت ہے' جس میں ایسے لوگ آ گئے آئیں جنہیں اس راستے میں جان قربان کر دینا زندگی سے عزیز تر ہو ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

اس پہلو سے کرنے کا کام اصل میں وہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔

(باقی صفحہ 96 پر)

بقیہ: قانون تحفظ حقوقِ نسواں کا منظر و پس منظر

البتہ اس وقت جو ایک صورت حال پیدا ہوئی ہے اس کے ضمن میں ہم میں سے ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ میں نے بھی اپنی گفتگو میں اس کا کچھ حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور آپ حضرات کو بھی میری یہ دعوت ہے کہ لوگوں کو اس قانون کے اصل اہداف اور اس کے مضمرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کریں۔ اس ضمن میں مَیں نے ندائے خلافت کے شمارے کا حوالہ بھی دیا ہے۔ آپ اسے خود بھی پڑھیے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایئے' تاکہ لوگوں میں آگاہی (awareness) پیدا ہو۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

تحفظِ حقوقِ نسواں بل

پس پردہ مقاصد اور ہمارا لائحۂ عمل

انجینئر نوید احمد☆

پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے اعتبار سے تیسرا بڑا سانحہ یکم دسمبر ۲۰۰۶ء کو پیش آیا۔ اِس تاریخ کو صدر پرویز مشرف نے قرآن وسنت کے منافی نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل پر دستخط کر کے اِسے ملکی قوانین کا حصہ بنا دیا۔ اِس سلسلے کا پہلا سانحہ ۱۹۶۲ء میں وقوع پذیر ہوا تھا جب ملک میں رائج عائلی قوانین میں قرآن وسنت کے خلاف ترامیم داخل کر دی گئی تھیں۔ پھر دوسرا سانحہ اُس وقت رونما ہوا جب بینک انٹرسٹ کو سود قرار دینے کے حوالے سے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو ۲۰۰۲ء میں منسوخ کر دیا گیا۔

نام نہاد ''تحفظِ حقوقِ نسواں بل'' کے نفاذ کے لیے حکومت نے غیر معمولی تیزی دکھائی۔ جون ۲۰۰۶ء میں حدود آرڈی نینس کے خلاف ایک مہم کا آغاز کیا گیا اور صرف چھ ماہ کے عرصہ میں اِس مہم کو منطقی انجام تک پہنچا کر حدود آرڈی نینس ہی میں نہیں بلکہ حدود اللہ میں ترمیم کا بل نافذ کر دیا گیا۔ آیئے سمجھتے ہیں کہ اِس بل کے نفاذ کے پس پردہ مقاصد کیا ہیں؟

پس پردہ مقاصد

نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل کی منظوری کے حوالے سے ہماری حکومت نے یہ غیر معمولی تیزی مغرب کے دباؤ کے تحت دکھائی ہے۔ ہماری حکومت مغرب کی سب سے بڑی آلۂ کار ہے' اُس کے سامنے پوری طرح سے سجدہ ریز ہے اور اِس وقت پوری دنیا میں مغرب کے احکامات کی بجا آوری میں نمبر ایک ہونے کا اعزاز حاصل کیے ہوئے ہے۔ باجوڑ کے مدرسہ پر امریکہ حملہ کرتا ہے اور ہم اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتے ہیں' برطانوی وزیرِ اعظم

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کراچی

کے احترام میں شاہ فیصل مسجد میں ''اذانِ تکبیر'' بلند نہیں ہونے دیتے اور برطانوی نژاد قاتل کو راتوں رات خصوصی طیارے سے لندن بھیج دیتے ہیں۔ مغرب کے حوالے سے ہماری اطاعت شعاری کے یہ تازہ ترین مظاہر ہیں' ورنہ نائن الیون کے بعد ہم نے مغرب کی غلامی میں بے شمار کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ مغرب کی خواہشات کی تکمیل کے حوالے سے دو مقاصد ہیں جو نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل کے نفاذ سے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

☆ پہلا مقصد

نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل عالمِ اسلام کے خلاف مغرب کے شرمناک ایجنڈے کی تکمیل کے لیے ایک اہم پیش رفت ہے۔ عالمِ اسلام پر مغرب کے غلبے کے تین پہلو ہیں۔ پہلا ہے سیاسی اعتبار سے عالمِ اسلام کو اپنا محکوم بنانا۔ مغرب نے پہلے اپنی زبردست عسکری صلاحیت کے ذریعے عالمِ اسلام کے زیرِ اثر علاقوں پر قبضہ کیا اور دین و مذہب کا فرق قائم کر کے انسانی حاکمیت پر مبنی سیکولر نظامِ حکومت نافذ کر دیا۔ پھر یہاں اپنا نظامِ تعلیم رائج کیا۔ جب اس نظام سے فارغ ہو کر ایسی افرادی قوت میسر آ گئی جو مغربی اقدار کے مطابق نظامِ حکومت چلا سکے تو اقتدار اِس کے حوالے کر دیا گیا۔ گویا پہلے وائسرائے مغربی ممالک سے آتا تھا اب یہیں سے فراہم ہو گیا' بقولِ شاعر : ؎

تو نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کیا اسیری ہے ' کیا رہائی ہے!

مغرب کے غلبے کا دوسرا پہلو ہے معاشی اعتبار سے عالمِ اسلام کو اپنے استبدادی شکنجے میں جکڑ لینا۔ یہ منصوبہ عالم اسلام کو سودی قرضوں کے جال میں پھنسا کر مکمل کیا گیا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ضلعی حکومتوں کو بھی مغربی مالیاتی ادارے قرضے دے رہے ہیں تاکہ وہ نچلی سطح تک اپنے شکنجہ کو کس سکیں۔ آج ہم اپنے مختلف سطح کے بجٹ بنانے کے لیے اِن مالیاتی اداروں کے دستِ نگر ہیں اور نتیجتاً تمام معاشی پالیسیاں اِن اداروں کی ہدایات کے مطابق ہی وضع کی جا رہی ہیں۔

مغربی استعمار کے غلبے کا تیسرا پہلو ہے عالم اسلام کی معاشرتی اقدار کو تباہ کرنا۔ اِس اعتبار سے مغرب کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ہمارے ہاں خاندانی نظام مستحکم تھا اور شرم وحیا کی اقدار کے ساتھ وابستگی اتنی مضبوط تھی کہ مغرب کی مادر پدر آزاد تہذیب کے

اثرات خاصے محدود رہے۔اب مغرب اسی پہلو کے اعتبار سے بڑی شدت کے ساتھ عالمِ اسلام پرحملہ آور ہے۔اُس نے سوشل انجینئر نگ کے عنوان سے ایک شیطانی ایجنڈا عالمِ اسلام کی معاشرتی اقدار کے خلاف مرتب کیا۔ یہ شیطانی ایجنڈا ۱۹۹۴ء میں عالمِ اسلام کے انتہائی مغرب میں واقع شہر قاہرہ میں منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں پیش کیا گیا۔اس اجلاس کو قاہرہ کانفرنس کا نام دیا گیا۔اس ایجنڈے کے نفاذ کے طریقۂ کار پر مزید غور وفکر ۱۹۹۵ء میں عالمِ اسلام کے انتہائی مشرق میں واقع شہر بیجنگ میں ''بیجنگ کانفرنس'' کے دوران ہوا۔آخر کار اِس ایجنڈے کے نفاذ کا فیصلہ'' بیجنگ پلس 5'' کانفرنس میں ہوا جو نیویارک میں جون ۲۰۰۰ء میں منعقد ہوئی۔اِس شیطانی ایجنڈے کے اہم نکات حسبِ ذیل ہیں :

i) ہم جنس پرستی :

ہم جنس پرستی کوئی گناہ اور جرم نہیں' بلکہ انسان کا بنیادی حق ہے ۔ چنانچہ ایسے قوانین' عوامل اور طریقِ کار کوفروغ دیا جائے گا اور اُنہیں لاگو کیا جائے گا جو جنس' نسل' مذہب وعقیدہ کی بنا پر جنسی رجحانات سے متعلق امتیازات کی نفی کرتے ہوں۔اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا گیا کہ جنسی رجحانات کے خلاف ایسے تمام عوامل اورقوانین ختم کیے جائیں جو ہم جنس پرستی کو جرم قرار دیتے ہوں۔ دنیا کے مختلف ثقافتی' سیاسی وسماجی نظاموں میں خاندانی نظام کے تحت ہم جنس پرستوں کے خاندان بھی شامل کیے جائیں اور اِنہیں بالکل مساوی درجہ اور حقوق دیے جائیں۔

ii) خاندان کے ادارے کی تباہی:

خاندانی نظام کا حلیہ بگاڑنے کے لیے شیطانی ایجنڈے میں طے کیا گیا کہ :

☆ خواتین پر بچوں کی ولادت اور افزائشِ نسل کے کام کا جو دہرا بوجھ ہے' اِنہیں اِس کی مناسبت سے معاوضہ دیا جائے' تاکہ اُن کی غربت میں کمی واقع ہو۔

☆ خواتین کوحق ہونا چاہیے کہ وہ اپنی مرضی سے گھریلو کام کاج سے انکار کردیں۔

☆ بیوی کی مرضی کے بغیر شوہر کا جنسی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرنا'' جرم'' شمار ہوگا' جسے جبری عصمت دری (marital rape) کہا جائے گا۔ ایسی خاندانی عدالتیں قائم کی جائیں اورقوانین وضع کیے جائیں جو اِس طرح کے جنسی جرائم کی بیخ کنی کریں۔

☆ شوہر کی طرح بیوی کو بھی طلاق دینے کا حق دیا جائے۔

iii) عصمت فروشی:

عصمت فروشی جائز ہے اور ''عصمت فروش خواتین'' درحقیقت جنسی کارکن (sex workers) یا مزدور ہیں۔ دنیا کو اُنہیں مزدور تسلیم کر کے اُن کے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔

iv) مساوی حق وراثت:

تمام قومی قوانین اور انتظامی امور کے ذریعے یقینی بنایا جائے کہ عورت کو مَردوں کی طرح معاشی ذرائع، جائداد اور وراثت میں برابر کا حصہ دیا جائے گا۔

v) زنا اور اسقاطِ حمل:

شادی شدہ یا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کو زنا اور اسقاطِ حمل کا حق دیا جائے۔ خواتین کو اسقاطِ حمل اور وضعِ حمل کی آزادی ہوگی۔ البتہ وضعِ حمل کی صورت میں مرد اُنہیں اِس کا معاوضہ دینے کے پابند ہوں گے۔

یہ ہے وہ شیطانی ایجنڈا جس کی طرف پیش رفت کے لیے حکومت نے نام نہاد ''تحفظِ حقوقِ نسواں بل'' نافذ کیا ہے جو درحقیقت ''فروغِ بے حیائی بل'' ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگاہ فرمادیا کہ اگر تم کفار کی باتیں مانو گے تو وہ تو تمہیں گمراہ کر کے چھوڑیں گے۔

﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ﴾ (البقرة : ١٠٩)

''اہل کتاب میں سے اکثر یہ چاہتے ہیں کہ لوٹا دیں تمہیں تمہارے ایمان کے بعد حالتِ کفر میں۔ یہ حسد ہے اُن کے جیوں کا اس کے بعد کہ اُن کے لیے حق واضح ہو چکا ہے۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿١٥٠﴾﴾ (آل عمران)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم کہنا مانو گے اُن لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا ہے تو وہ تمہیں لوٹا دیں گے تمہاری ایڑیوں پر (یعنی الٹے پاؤں) اور پھر تم پلٹ کر ہو جاؤ گے خسارہ پانے والے۔ بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ (مددگار پشت پناہ) ہے اور وہ بہترین مدد فرمانے والا ہے''۔

☆ دوسرا مقصد

نام نہاد ''تحفظِ حقوقِ نسواں بل'' کے نفاذ کا دوسرا مقصد اِس خطہ کے معدنی وسائل سے

استفادے اور تجارتی مقاصد کے لیے آنے والے اہلِ مغرب کو عیاشی کی سہولیات فراہم کرنا اور اس حوالے سے موجود کسی بھی رکاوٹ کو دُور کرنا ہے۔ امریکہ' نیٹو میں شامل مغربی ممالک اور بھارت وسطی ایشیا' افغانستان اور بلوچستان کے معدنی وسائل اور تیل سے استفادے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ اِن منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے وہ چاہتے ہیں کہ:

i) خطہ میں امن وامان کو یقینی بنایا جائے۔ اِسی لیے طالبان کو پیشکش کی گئی تھی کہ اگر وہ مذکورہ بالا منصوبوں کی تکمیل کے لیے تعاون کریں تو اُن پر سونے کی بارش کر دی جائے گی' اور اگر انہوں نے یہ پیشکش قبول نہ کی تو پھر اُنہیں بموں کی بارش کا سامنا کرنا ہوگا۔ طالبان نے انکار کیا اور اسی بنا پر ان کے خلاف سفاکانہ کارروائی کی جا رہی ہے۔ طالبان اب تک مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں اور مغرب کے منصوبوں میں کامیابی کے ساتھ رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ دوسری طرف حکومتِ پاکستان بھی مغرب کے دباؤ کے زیرِ اثر شمالی علاقہ جات میں آپریشن کر رہی ہے' لیکن ابھی تک مجاہدین کے خلاف کامیابی حاصل نہیں کر سکی۔

ii) خطہ میں نقل وحمل کی سہولیات کو جدید معیارات کے مطابق بنایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان اور خاص طور پر بڑے شہروں میں بین الاقوامی معیار کے مطابق سڑکوں' فلائی اووَرز' پل' ایکسپریس ویز اور موٹر ویز کی تعمیرات بڑے اہتمام سے جاری ہیں۔ خاص طور پر کراچی میں پورٹ تا ہائی وے' لیاری ایکس پریس وے کا منصوبہ زیرِ تعمیر ہے۔ بھارت کے ساتھ سفری راستے کھولے جا رہے ہیں جہاں سے پہلے مسافر بسیں اور ٹرینیں چلائی جا رہی ہیں اور بعد میں یہی راستے گڈز ٹرینوں اور ٹرکوں کی آمد ورفت کے لیے استعمال ہوں گے۔

iii) پاکستان اور افغانستان میں ایسے تمام قوانین کو ختم کیا جائے جو عیاشی اور بے حیائی کے فروغ میں رکاوٹ بنتے ہوں۔ کراچی کے جزیروں کو عیاشی کے اڈے بنا دیا جائے تاکہ اہلِ مغرب کے لیے اِس خطہ میں تجارت کے ساتھ ساتھ عیاشی کا بھی پورا سامان میسر ہو۔

iv) پاکستان اور افغانستان میں غربت کی شرح میں اضافہ کیا جائے تاکہ غریب پیٹ کی خاطر عصمت فروشی پر مجبور ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں پٹرولیم کی مصنوعات اور عام استعمال کی اشیاء یعنی آٹا' چینی' دودھ' سبزیاں' دالیں اور اناج کو خاص طور پر مہنگا کیا

جا رہا ہے۔

پاکستان کی حکومت اس خطہ کے معدنی وسائل سے استفادے کے مذکورہ بالا مغربی منصوبوں کی تکمیل اور اس خطہ میں عیاشی کے لیے تمام سہولیات کی فراہمی میں بے پناہ معاشی فوائد دیکھ رہی ہے۔ لہٰذا حکومت ان معاشی فوائد کے حصول کے لیے اپنا دین، ایمان، شرم اور حیا، سب کچھ بیچنے کو تیار ہے۔ اسی لیے نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل نافذ کیا جارہا ہے۔ درحقیقت یہ فروغِ بےحیائی بل ہے، لیکن دھوکہ دینے کے لیے اسے تحفظِ حقوقِ نسواں بل کا نام دیا گیا ہے تاکہ خواتین کی ہمدردیاں اور آئندہ انتخابات میں اُن کے ووٹ حاصل کیے جاسکیں۔

ہمارا لائحہ عمل

حکومت نے جس تیزی سے اس بل کو نافذ کیا ہے اور اب بعض حکومتی عہدے یدار جس ڈھٹائی کے ساتھ اس بل کی منظوری کو اپنا کارنامہ قرار دے رہے ہیں، اِس پر دین کا درد رکھنے والے شدید مایوسی اور حسرت سے دوچار ہیں۔ حالات کی اِس ستم ظریفی کے زیرِ اثر ایک رائے یہ سامنے آتی ہے کہ حکومت کے اِس اقدام کے خلاف آواز اٹھانا بےسود ہے، جو ہونا تھا ہو چکا، سانپ گزر گیا اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ! لیکن یہ رائے درست نہیں۔ ہمیں حکومت کے قرآن وسنت کے منافی اِس اقدام کے خلاف وہ سب کچھ کرنا چاہیے جو ہم کر سکتے ہیں۔ ہمیں قرآنِ حکیم اور ارشاداتِ نبوی ﷺ سے یہی رہنمائی ملتی ہے۔

☆ قرآنِ حکیم کی ہدایات

قرآنِ حکیم ہم پر زور دیتا ہے کہ منکرات اور قرآن وسنت کی خلاف ورزیوں کے خلاف مزاحمت میں اپنی تمام دستیاب صلاحیتوں کو بروئے کار لاؤ، تاکہ :

i) آخرت میں جواب دہی کے وقت شرمندگی سے بچا جا سکے، جیسا کہ سَبُت کے قانون میں زیادتی کرنے والوں کو باز رکھنے والوں نے کہا تھا: ﴿مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ﴾ (الاعراف:۱۶۴) یعنی ہم تمہیں برائی سے روک رہے ہیں تاکہ روزِ قیامت تمہارے ربّ کے سامنے عذر پیش کر سکیں کہ اے اللہ! ہم تیری نافرمانیوں کو روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

ii) اِس امید پر کہ شاید کسی وقت کوئی بات اربابِ اختیار پر اثر کر جائے اور وہ اپنے کیے پر

نادم ہوں۔جیسا کہ سَبُت کے قانون میں زیادتی کرنے والوں کو باز رکھنے والوں نے یہ بھی کہا تھا: ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ یعنی شاید نافرمانی کرنے والے باز آجائیں۔ چوہدری شجاعت صاحب اور حکومتی جماعت کے کچھ ارکان نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل پر علمائے کرام کے اعتراضات سن رہے ہیں اور امید کی ایک کرن سی ہے کہ شاید اس بل میں قرآن وسنت کے خلاف ترامیم کی اصلاح کردی جائے۔

iii) قرآن وسنت سے بغاوت کرنے والوں پر اتمامِ حجت کی جا سکے۔ختمِ نبوت سے قبل اتمامِ حجت کے لیے اللہ تعالیٰ انبیاءکرام علیہم السلام کو مبعوث فرماتا تھا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (النساء)

''رسول تھے بشارت دینے والے اور خبردار کرنے والے' تاکہ نہ رہے لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت رسولوں کے آنے کے بعد۔اور اللہ زبردست ہے کمالِ حکمت والا ہے''۔

ختمِ نبوت کے بعد اتمامِ حجت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ (البقرة : ١٤٣)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی اُمت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول (آخر الزماں ﷺ) تم پر گواہ بنیں''۔

اگر ہم نے قرآن وسنت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ تحفظِ حقوقِ نسواں بل میں شامل غیر شرعی ترمیمات کو واضح نہ کیا تو روزِ قیامت بل منظور کرنے والے اللہ کی عدالت میں ہمارے خلاف فریاد کرسکتے ہیں کہ اِنہوں نے باوجود علم کے ہماری اصلاح نہ کی۔

iv) دنیا کی رسوائی اور عذاب سے نجات کے لیے۔قرآنِ حکیم میں اللہ نے واضح فرمادیا ہے کہ جب کوئی قوم اپنی سرکشی کی وجہ سے اللہ کے غضب کا شکار ہوئی تو ایسے میں رسوائی اور عذاب سے نجات صرف اُن کو ملی جو اللہ کی نافرمانیوں سے روکتے تھے۔بنی اسرائیل کے ایک قبیلے میں سے سَبُت کے قانون میں زیادتی کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ

ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴿١٦٥﴾ (الاعراف)

''جب اُنھوں نے ان باتوں کوفراموش کر دیا جن کی اُن کونصیحت کی گئی تھی، تو جولوگ بُرائی سے منع کرتے تھے اُن کو ہم نے نجات دی اور جوظلم کرتے تھے اُن کو بُرے عذاب میں پکڑ لیا کہ نافرمانی کیے جاتے تھے''۔

سورہ ہود میں کئی نافرمان قوموں پر عذاب کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلاً مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ج وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴿١١٦﴾ (ھود)

''تو جو اُمتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں ایسے ہوشمند کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے، سوائے چند کے جن کو ہم نے بچا لیا؟ اور جو ظالم تھے انھوں نے پیروی کی ایسی باتوں کی جن میں عیش وآرام تھا اور وہ مجرم لوگ تھے''۔

اِسی حوالے سے سورۃ المائدۃ میں ارشاد ہوا :

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ م بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴿٧٩﴾ (المائدۃ)

''بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے اُن پر داوٗدؑ اور عیسیٰؑ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے بُرے کاموں سے جو وہ کرتے تھے۔ بلاشبہ برا ہوا وہ عمل جو وہ کر رہے تھے''۔

٧) ہمارا شمار بھی اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والوں میں ہو سکے۔ ایسا کرنے والے اللہ کے سچے مؤمن بندوں میں شامل ہیں، جن کے لیے خوش کن بشارتیں ہیں۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿١١٢﴾ (التوبہ)

''وہ توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے' حمد کرنے والے' دُنیوی لذتوں کو ترک کرنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' نیکی کا حکم دینے والے' برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور (اے نبیؐ!) ایسے مؤمنوں کو بشارت دے دیجیے!''

☆ ارشاداتِ نبوی ﷺ سے رہنمائی

نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اگر کسی منکر کو ہاتھ سے روکنے کی قوت نہ ہو تو زبان سے اِس کے خلاف جدوجہد کی جائے :

((مَنْ رَآی مِنْکُمْ مُنکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ' فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ' وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِ یْمانِ))(۱)

''تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے پس اُسے چاہیے کہ اِسے اپنے ہاتھ سے روک دے' پھر اگر وہ اِس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روکے' پھر اگر وہ اِس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل میں اِسے برا سمجھے' اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے''۔

جو لوگ منکرات کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے اور اپنی ذاتی نیکی ہی میں مگن رہتے ہیں ان کے لیے آپ ﷺ کے اِس اِرشاد میں شدید وعید ہے :

((اَوْحَی اللّٰہُ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ اَنِ اقْلِبْ مَدِیْنَۃَ کَذَا وَ کَذَا بِاَھْلِھَا' فَقَالَ یَا رَبِّ اِنَّ فِیْھِمْ عَبْدَکَ فُلَانًا لَمْ یَعْصِکَ طَرْفَۃَ عَیْنٍ' قَالَ فَقَالَ ' اِقْلِبْ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ فَاِنَّ وَجْھَہٗ لَمْ یَتَمَعَّرْفِیَّ سَاعَۃً قَطُّ)) (رواہ البیھقی)

''اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جبرائیلؑ کو کہ فلاں فلاں بستیوں کو مع اُن کے باشندوں کے اُلٹ دو۔ جبرائیلؑ نے عرض کیا: اے پروردگار! اُن لوگوں میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے دوران (یعنی ایک لمحہ) بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُن بستیوں کو دیگر باشندوں کے ساتھ اُس پر بھی الٹ دو' کیوں کہ (شہر والوں کے کرتوتوں پر) میری خاطر اُس کا چہرہ ایک گھڑی بھی متغیر نہیں ہوا''۔

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان...... الخ۔

کیا کیا جائے؟

اوّلاً : علمائے کرام سے درخواست کی جائے کہ وہ نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل کے خلاف جدوجہد اُس وقت تک جاری رکھیں جب تک حکومت اس بل میں شامل قرآن وسنت کے خلاف ترامیم کو ختم نہیں کرتی۔ سیکولر طبقہ اس بل کے حوالے سے یہ رائے رکھتا ہے کہ ''بالآخر ابتدا ہوئی۔ منصفانہ سوچ کی''۔ گویا یہ طبقہ اِس سے بھی زیادہ شرمناک اقدامات کرنے کے ناپاک عزائم رکھتا ہے۔ اگر ہم نے اس معاملے میں بھرپور اور فیصلہ کن احتجاج نہ کیا تو معاملات مزید سے مزید بگڑتے جائیں گے۔ ازروئے قرآنِ حکیم یہ علمائے کرام کی اوّلین ذمہ داری ہے کہ وہ احکاماتِ شریعت کی حفاظت کے لیے اپنا کردار ادا کریں :

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾(المائدۃ)

''بے شک ہم نے ہی تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی۔ اِسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے' یہودیوں کے درمیان فیصلے کرتے تھے اور صوفیاء اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے' تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا۔ اور جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں''۔

﴿ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝٦٣﴾ (المائدة: ٦٣)

''تو کیوں نہیں روکتے اُنہیں اُن کے صوفیاء اور علماء گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے؟ برا ہے وہ عمل جو وہ کر رہے ہیں''۔

الحمد للہ علمائے کرام اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھا رہے ہیں۔ اُنہوں نے اربابِ اختیار اور عوام کو آگاہ کر دیا ہے کہ نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل میں کہاں کہاں قرآن وسنت سے

انحراف ہوا ہے۔ پھر وہ اربابِ اختیار اور حکومت کی حلیف جماعتوں سے درخواست کر رہے ہیں کہ مسئلے کو سیاسی رنگ نہ دیا جائے اور افہام و تفہیم کے ساتھ بل میں موجود قرآن وسنت سے انحراف والی ترمیمات کو کالعدم کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ علمائے کرام کو استقامت کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ان کا ساتھ دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

ثانیاً: ہمیں چاہیے کہ ہم متعلقہ کتابچوں، کیسٹس، ماہنامہ میثاق وحکمت قرآن اور ندائے خلافت کے خصوصی شمارے کے ذریعے عوام میں آگہی پیدا کریں کہ اس نام نہاد تحفظِ حقوقِ نسواں بل کے ذریعے قرآن وسنت سے کیا بغاوت ہوئی ہے؟ اِس کی افادیت یہ ہے کہ حکومت کے اس اقدام کے خلاف رائے عامہ ہموار ہوگی اور اگر معاملہ افہام و تفہیم سے حل نہ ہوا تو تحریک کے لیے ذہن سازی ہوگی اور فضا سازگار ہوتی چلی جائے گی۔

حرفِ آخر

ہمیں سیکولر طبقہ کی شریعت کے خلاف مسلسل جدوجہد سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ یہ طبقہ غلط مقاصد کے لیے بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ سرگرمِ عمل ہے اور ہم وقتی جوش دکھا کر ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ بقولِ اقبال: ؎

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زُناری بھی دیکھ!

سیکولر طبقہ اپنی سرگرمیوں سے ہلاکت کا سامان کر رہا ہے جبکہ ہم نے اگر خلوص کے ساتھ اللہ کی حدود کی حفاظت کی جدوجہد کی تو ہمیشہ ہمیش کے اجر سے فیضیاب ہوں گے۔ ہمیں اللہ کے اِس ارشاد کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾﴾ (آلِ عمران)

''اے ایمان والو! صبر کی روش اختیار کرو، اور صبر کے معاملے میں (اپنے مخالفین پر) بازی لے جاؤ اور باہم متحد رہو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

''قانون تحفظ خواتین'': ایک تحقیقی جائزہ

ابوعبدالمعز

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ (آل عمران:۱۹)

''یقیناً اللہ کے نزدیک دین (کامل نظامِ حیات) اسلام ہی ہے۔''

یہ نظامِ حیات انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے اور اسلام قبول کرنے والوں پر یہ لازم قرار دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام اُمور کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں سرانجام دیں۔

ذیل میں ہم ''اسلام میں قانون سازی کے بنیادی تصورات'' کے تذکرہ کے بعد اسلام کے قانون متعلقہ زنا' قذف ولعان اور موجودہ ''قانون تحفظ خواتین'' کا تفصیلی جائزہ لیں گے اور یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ اس قانونِ جدید کے مقاصد کیا ہیں اور آیا یہ قرآن وسنت کے مطابق ہے یا نہیں!

اسلام میں قانون سازی کے بنیادی تصورات

① قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے' خلق اسی کی ہے' لہٰذا فطرتاً امر کا حق (right to rule) بھی صرف اسی کا ہے (الاعراف:۵۴۔ فاطر:۱۳) حکم کا اختیار بھی اسی کا ہے (المؤمن:۱۲)' بادشاہی اور حکم میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی وہ کسی کو شراکت دار بناتا ہے۔ (بنی اسراءیل:۱۱۱۔ الکہف:۲۶)' اور حکم اور امر کا اختیار بھی کلی طور پر اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ (آل عمران:۱۵۴)

② ﴿اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ﴾ کی بنیاد پر انسان سے قانون سازی کا حق سلب کرلیا گیا ہے' اس طرح انسان اس بات کے مجاز نہیں کہ وہ نظامِ زندگی میں اپنی مرضی سے حلت وحرمت (حلال وحرام قرار دینے) کا فیصلہ کریں۔ (النحل:۱۱۶) بلکہ وہ اس بات کے پابند ہیں کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے بالکلیہ اس کی پیروی کریں۔ (الاعراف:۳) اور اللہ کے قانون کے مطابق جملہ اُمورِ حیات کا فیصلہ نہ کرنے والوں کو ظالم (المائدۃ:۴۵)' فاسق

(المائدۃ:۴۷)اور کافر(المائدۃ:۴۴) کہا گیا ہے۔

③ انسان کو اللہ نے اس دنیا میں خلیفہ یا نائب بنایا ہے (البقرۃ:۳۰' یونس:۱۴' الاعراف:۶۹)اور انبیاء ورسل کو اللہ نے اس لیے بھیجا کہ حکم الٰہی کے مطابق ان کی اطاعت کی جائے۔ (النساء:۶۴) اور کتابِ ہدایت کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔ (النساء:۱۰۵)۔اس طرح انبیاء ورسل کو اللہ نے' اللہ کی مخلوق پر' اللہ کے قانون کے مطابق' اللہ کی حاکمیت کا نظام برپا کرنے کے لیے بھیجا۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت گردانا گیا اور مؤمنوں کے ایمان کو اطاعتِ رسولؐ واتباعِ رسولؐ سے وابستہ کر دیا گیا اور یہ فیصلہ سنا دیا گیا کہ:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ...﴾ (النساء:۶۵)

''آپ کے ربّ کی قسم' وہ ہرگز مؤمن نہ ہوں گے جب تک کہ اے نبی! آپ کو باہمی اختلافات میں فیصلہ کرنے والا تسلیم نہ کریں......''

④ مذکورہ بالا بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلام میں قانون سازی کے بنیادی مآخذ قرآن و سنت ہیں' البتہ قانون الٰہی کی حدود کے اندر استنباط واجتہاد سے فقہی تفصیلات مرتب کرنے' اور اُن اُمور میں' جن میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے کوئی صریح حکم نہ دیا ہو' شریعت کی روح اور اسلام کے مزاج کو پیش نظر رکھتے ہوئے قانون بنانے کا حق اہل ایمان کو حاصل ہے۔

اسلامی قانون میں زنا سے متعلق احکام'

حدِّ زنا آرڈیننس اور قانونِ تحفظ خواتین

(۱)انسانی جان و مال' عزت وعصمت' نسل اور عقل کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ہیں۔اس میں ''فعل زنا'' انسانی نسل وعزت وعصمت کی حفاظت کے خلاف جرم ہے۔

(۲) قرآن کریم میں ''زنا'' کو بہت بڑی بے حیائی اور بہت بری راہ قرار دیا گیا ہے اور شرک اور قتل کے بعد کبائر میں شمار کیا گیا ہے۔(بنی اسراءیل:۳۲' الفرقان ۶۸ بالترتیب)

(۳)اسلام کے ابتدائی دور میں ارتکابِ زنا کرنے والی عورتوں کو جرم کے ثبوت —— چار مرد گواہوں کی گواہی —— کے بعد تا مرگ قید یا اللہ کی طرف سے راہ نمائی آ جانے تک قید کا حکم تھا۔(النساء:۱۵'۱۶) تاہم قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں حتمی قانون ''زانی

عورت اور زانی مرد' ہر ایک کو سو' سو کوڑے مارنے'' کی صورت میں فراہم کیا (النور:۲)' البتہ رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل' صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل اور علماء و صلحاء اُمت کے اجماع (ماسوائے خوارج و معتزلہ) سے یہ ثابت ہے کہ قرآن کا مذکورہ حکم غیر محصن (غیر شادی شدہ) مرد و عورت مجرموں کے لیے ہے' جبکہ محصن (حصارِ نکاح میں محفوظ شدہ) مجرموں' خواہ مرد ہوں یا عورتیں' کے لیے رجم (تا مرگ سنگساری) کی سزا ہے۔

(۴) ''حدِّ زنا'' کے لیے ثبوت کے دو معتبر ذرائع ملزم کا ''اقرارِ جرم'' اور چار مسلم' بالغ و عاقل گواہوں کی شہادت ہے' جن کی نسبت عدالت ''تزکیۃ الشہود'' کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے' مطمئن ہو کہ وہ سچے اور کبائر سے بچنے والے گواہ ہیں۔ مزید یہ کہ ان گواہوں کی شہادت' وقوعہ اور ''فعلِ زنا'' کی عینی شہادت ہونی چاہیے۔

(۵) مذکورہ ثبوت اگر موجود نہ ہوں اور قرائن (circumstances) سے یا کسی اور ذریعے سے یہ ثابت ہو کہ ''ملزم یا ملزمہ'' نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو اسے اس عمل کی سزا تعزیر کی صورت میں عدالت یا حاکمِ وقت (اولی الامر) مقدمہ کے حقائق کو دیکھتے ہوئے' دے سکتا ہے۔

(۶) حال ہی میں ہماری پارلیمنٹ (قومی اسمبلی اور سینٹ) نے ''تحفظ خواتین (فوجداری قوانین کا ترمیمی) ایکٹ ۲۰۰۶ء'' منظور کیا ہے اور صدرِ پاکستان نے اسے منظوری دے کر قانون کا درجہ بھی دے دیا ہے۔ اس قانون کے ذریعے جرم زنا (نفاذِ حد) آرڈیننس ۱۹۷۹ء (جسے آئندہ سطور میں سہولت کی خاطر ''جرم یا حدِّ زنا آرڈیننس'' تحریر کیا جائے گا)' جرم قذف (نفاذِ حد) آرڈیننس ۱۹۷۹ء (آئندہ سطور میں ''جرم یا حدِّ قذف آرڈیننس'' تحریر کیا جائے گا)' تعزیرات پاکستان ۱۸۶۰ء' ضابطہ فوجداری ۱۹۰۸ء اور قانون انفساخ ازدواج مسلمانان ۱۹۳۹ء میں ترامیم کی گئی ہیں۔

(۷) جرمِ زنا آرڈیننس کی بیشتر دفعات اسلامی قوانین کی روح کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے مرتب کی گئی تھیں' البتہ چند ایک ذیلی و فروعی قسم کی دفعات' جو کہ زیادہ تر طریق کار کی نسبت تھیں' ان کو غلط طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے' جس کو بہانہ بناتے ہوئے اور تحفظ خواتین کا دلچسپ نعرہ استعمال کرتے ہوئے' مذکورہ ذیل ترامیم اور متعلقہ دیگر قوانین میں ذیلی دفعات کا اضافہ کیا گیا ہے' جن کے مقاصد صرف سرسری مطالعہ ہی سے صراحت سے واضح ہو جاتے ہیں۔

(i) قانون —— حدِّ زنا آرڈیننس —— کی دفعہ۲ کی شق ج (c) کو منسوخ کیا گیا ہے۔ مذکورہ شق میں ''شادی/نکاح'' کی اس طور تعریف کی گئی ہے کہ ''شادی/نکاح سے مراد وہ شادی/نکاح ہے جو کہ فریقین کے شخصی قانون کے مطابق باطل (void) نہ ہو' اور ''شادی شدہ'' کو اسی معنوں میں تعبیر کیا جائے گا'' —— ''حدِّ زنا'' کے نفاذ کے لیے ''شادی شدہ'' کی تعریف کلیدی حیثیت رکھتی ہے اور اس شق کی تنسیخ سے ''شادی/نکاح'' کی واضح تعریف کو مشکوک اور ہر مقدمہ میں علیحدہ علیحدہ تعبیر کا تابع بنانے کی سعی کی گئی ہے تا کہ ''شادی/نکاح'' کی تعریف میں ابہام موجود رہے' کیونکہ اس اصطلاح کی تعریف نہ تو ''تعزیرات پاکستان'' میں ہے' نہ قانون انفساخ ازدواج مسلمانان ۱۹۳۹ء (The Dissolution of Muslim Marriages Act,1939) میں اور نہ ہی کسی اور قانون میں۔ اس طرح کسی بھی اس تعلق کو ''شادی'' قرار دیا جا سکے گا جو ''تحفظ خواتین'' کے نام نہاد علمبردار اور اس کے پس پردہ محرک قرار دیں۔

(ii) قانون کی دفعہ۲ کی شق ''ر'' (e) کو منسوخ کیا گیا ہے جس میں تعزیر کی تعریف کی گئی ہے۔

(iii) قانون کی دفعہ۳ کو منسوخ کیا گیا ہے' جس کی رو سے ''حدِّ زنا آرڈیننس'' کو دیگر تمام قوانین پر اس کے نفاذ کے اعتبار سے برتری دی گئی تھی۔ اس طرح حدِّ زنا کے قانون سے دیگر تمام انسانی وضع کردہ قوانین کی طرح کا سلوک کیا جائے گا اور اسے نفاذ میں کسی قسم کی برتری اور اولیت حاصل نہ رہے گی۔ بلکہ اس امر کا زیادہ امکان ہے کہ اس قانون کو اس کے بعد نافذ کردہ قوانین کی نسبت کم اہمیت دی جائے گی' کیونکہ قانون کی توضیح وتشریح کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ایک ہی موضوع پر بعد میں نافذ کیے جانے والے قانون کو پہلے سے لاگو کردہ قانون پر ترجیح دی جائے گی' کیونکہ یہ پارلیمان کے ارادوں کا بہتر مظہر ہوتا ہے' اِلّا یہ کہ پہلے سے نافذ شدہ قانون میں اس کے برعکس صراحت سے مذکور ہو' جیسا کہ ''حدِّ زنا'' سے متعلق مذکورہ منسوخ شدہ دفعہ میں مذکور تھا۔

(iv) قانون کی دفعہ۴ میں ''ہر اُس ارادی جنسی تعلق کو زنا قرار دیا گیا تھا جو کہ مرد و زن جائز نکاح کے بغیر استوار کریں'' تاہم تحفظ خواتین کے قانون کے ذریعے قوم کے نمائندوں نے ''جائز'' لفظ کو حذف کرنے کی تجویز دی ہے' جبکہ ''شادی/نکاح'' کی تعریف کو پہلے ہی حذف کیا گیا ہے۔ اس طرح ''نکاح'' اور اس حوالے سے ''ارتکابِ زنا'' کے قانون کو مبہم بنانے کی حتی الامکان سعی کی گئی ہے۔

(v) حدِ زنا آرڈیننس کی دفعہ ٦ میں زنا بالجبر کی تعریف اور اس کے ارتکاب کرنے والے/والی محصن (شادی شدہ) اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) مجرم کی سزا بیان کی گئی ہے' تاہم تحفظ خواتین کے ترمیمی قانون کے ذریعے نہ صرف مذکورہ بالا دفعہ بلکہ جہاں جہاں بھی ''زنا بالجبر'' کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے' کو منسوخ کیا گیا ہے اور مذکورہ دفعہ کی جگہ تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۳۷۵ بہ عنوان زنا بالجبر اور دفعہ ۳۷٦ بہ عنوان سزائے ''زنا بالجبر'' شامل کی گئی ہیں۔ اس ضمن میں تفصیلی مباحث درج ذیل ہیں:

اولاً: ''قانون حدِّ زنا'' میں مجرم کے لیے اصطلاح ''ایک شخص (A person) استعمال کی گئی ہے جس کی تعریف میں ''مرد و زن'' دونوں شامل ہیں' جبکہ تحفظ خواتین کے قانون کے ذریعے نافذ کردہ دفعہ ۳۷۵ کی تعریف کے مطابق صرف ''ایک مرد'' (A man) ہی زنا بالجبر کا مرتکب قرار دیا جاسکے گا۔ اگرچہ بالعموم ''زنا بالجبر'' کے مرتکب مرد ہی ہوتے ہیں' تاہم خواتین سے بھی اس کا ارتکاب خلافِ امکان نہیں۔ حدِّ زنا آرڈیننس کی دفعہ ٦ اس امکانی صورت کا بھی احاطہ کرتی ہے' جبکہ ''تحفظ خواتین'' کے قانون کے ذریعے نافذ کردہ شق ۳۷۵ میں ایسا کوئی امکان موجود نہیں۔

مزید یہ کہ دفعات ۳۷۵ اور ۳۷٦ کی صورت میں ''مَردوں'' سے جنس کی بنیاد پر امتیاز کا قانون نافذ کیا جارہا ہے' جو کہ عدل و انصاف کے تقاضوں اور آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲۵ کی صریح خلاف ورزی ہے۔

ثانیاً: اسلامی قانون اور حدِّ زنا آرڈیننس کے مطابق ''حدِّ زنا بالجبر'' صرف عاقل و بالغ مرد و زن پر بعد از ثبوت نافذ کی جائے گی' جبکہ نئی شامل کردہ دفعہ ۳۷۵' تعزیرات پاکستان کے مطابق ایک مرد (A man) ہی سزائے زنا بالجبر کا مرتکب قرار پائے گا۔ یہاں یہ بھی برمحل ہوگا کہ اگر تعزیرات پاکستان میں ''مرد'' کی تعریف کا تذکرہ ہو جائے۔ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۱۰ کے مطابق ''مرد'' (man) سے مراد کسی بھی عمر کا مرد انسان ہے' تاہم زیر دفعہ ۸۲' تعزیرات پاکستان' سات سال سے کم عمر بچے کے کسی بھی فعل کو جرم نہیں گردانا جائے گا' جبکہ مذکورہ قانون کی دفعہ ۸۳ کے مطابق ۷ سال سے زائد اور ۱۲ سال سے کم عمر بچے کا کوئی فعل جرم تصور نہ ہوگا' بشرطیکہ اسے اپنے افعال اور اس کے نتائج کی کافی سمجھ بوجھ حاصل نہ ہو۔ اس طرح بارہ سال یا اس سے زائد عمر کے بچے پر تو تعزیرات پاکستان کی دفعات ۳۷۵ اور ۳۷٦ بہ اعتبارِ سزا لاگو ہوں گی' مگر کسی بھی عمر کی عورت پر نہیں۔

ثالثاً :حدِ زنا آرڈیننس اوراسلامی قانونِ معاشرت میں اپنی بیوی کے ساتھ' خواہ اس کی مرضی یا رضامندی ہو یا نہ ہو' جنسی تعلق قائم کرنا کوئی جرم نہیں' جبکہ ''تحفظ خواتین کے قانون'' کی دفعہ ۳۷۵ کے مطابق ''اگرایک مرد ایک عورت سے اس کی مرضی یارضامندی کے بغیر جنسی تعلق استوار کرے تو یہ زنا بالجبر کہلائے گا'' (ملاحظہ ہوشق ۵ تحفظ خواتین کا قانون)۔ یہ عورت اس مرد کی بیوی بھی ہوسکتی ہے! اور اہل مغرب کی اصطلاح میں اس کو شادی کے بعد زنا بالجبر (marital rape) گردانا جاتا ہے۔ حدِ زنا آرڈیننس کی دفعہ ۶ میں ''جائز نکاح رشادی'' کے بعد جنسی فعل کو ''زنا بالجبر'' کی تعریف سے خارج کیا گیا ہے' جبکہ تحفظ حقوقِ خواتین کے قانون میں اس کے برعکس ہے۔

رابعاً :جنس کی بنیاد پر امتیاز کی ایک اور مثال تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۷۵ کی ذیلی شق پانچ (V) ہے' جس کے مطابق ''ایک مرد اگر ایک عورت سے اس کی مرضی یا اس کی مرضی کے بغیر جنسی تعلق قائم کرے' زنا بالجبر کا مرتکب کہلائے گا' اگر عورت کی عمر سولہ سال سے کم ہو''۔

اس طرح ایک طرف تو ۱۲ سے ۱۶ سال تک کی عمر کی لڑکیوں کو اس فعل کی بلا کسی خوف وخطر آزادی دے دی گئی ہے اور دوسری طرف یہی فعل اگر اسی عمر کا کوئی لڑکا کرے تو ''زنا بالجبر'' کا مرتکب قرار پائے گا۔ اس طرح سولہ سال سے کم عمر لڑکی رعورت اگر ارتکاب زنا بالرضا کرے تو اس کے لیے کوئی سزا مقرر نہیں خواہ وہ غیر محصنہ (غیر شادی شدہ) ہو یا محصنہ (شادی شدہ) ہو۔ اس پر مزید افتاد یہ کہ کسی ''شوہر'' کا اپنی سولہ سال سے کم عمر بیوی کے ساتھ جسمانی تعلق' خواہ یہ تعلق اس کی بیوی کی رضامندی ہی سے کیوں نہ ہو' ''زنا بالجبر'' تعبیر کیا جائے گا۔ کیا مذکورہ بالا اجزاء ''ثالث و رابع'' کے تحت مباحث میں' دیگر پہلوؤں کے علاوہ' قرآن وسنت سے یا پوری اُمت مسلمہ کی تاریخ سے کسی شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ جسمانی تعلق ''زنا بالجبر'' قرار دیے جانے کی ایک بھی نظیر (precedent) موجود ہے؟

خامساً : ''زنا بالجبر'' کی سزا کے متعلق رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل کی چند مثالیں راہ نما ہیں:

(۱) ایک عورت اندھیرے میں نماز کے لیے نکلی' راستے میں ایک شخص نے اس کو گرا لیا اور زبردستی اس کی عصمت دری کر دی' اس کے شور مچانے پر لوگ آ گئے اور زانی کو پکڑ لیا۔ نبی ﷺ نے اس کو رجم کرا دیا اور عورت کو چھوڑ دیا۔ (رواہ ترمذی وابوداؤد)

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انہوں نے زنا بالجبر کے ایک کنوارے مجرم کو سو کوڑے لگوائے اور جلاوطنی کی سزا دی۔ (موطا امام مالکؒ)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک شخص نے ایک لڑکی سے زنا بالجبر کیا' آپؓ نے اسے کوڑے لگوائے اور لڑکی کو چھوڑ دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مجرم کو جلاوطنی کی سزا بھی دی گئی۔ (رواہ البخاری)

مذکورہ بالا مثالوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول و عمل سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زنا بالجبر کی سزا مجرم کے محصن ہونے کی صورت میں رجم اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہونے کی صورت میں سو کوڑے تھی۔ علاوہ ازیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے یہ بھی واضح ہے کہ جبر کے جرم کی تعزیر کے طور پر مجرم کو جلاوطنی کی سزا دی گئی' تاہم ملزم کے غیر محصن ہونے کی صورت میں یہ سزا قتل (سزائے موت) کبھی بھی نہیں رہی۔

تحفظ خواتین کے قانون کے تحت نئی نافذ کردہ دفعہ ۳۷۶ تعزیرات پاکستان کے تحت زنا بالجبر کی سزا ''سو کوڑوں'' یا ''رجم'' کے بجائے ''سزائے موت یا کم از کم دس سال اور زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال قید ہمراہ جرمانہ'' جبکہ دو یا زائد افراد اگر مشترکہ نیت سے اس جرم کے مرتکب ہوں تو ان کے لیے سزا سزائے موت یا عمر قید ہے۔

اب دفعہ ۳۷۶ تعزیرات پاکستان کے مطابق قرآن و سنت ہونے یا خلافِ قرآن و سنت ہونے کا فیصلہ مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں آپ خود کیجیے گا۔

(vi) ''حدِّ زنا آرڈیننس'' کی دفعہ ۷ میں ''زنا'' یا ''زنا بالجبر'' کے ارتکاب کرنے والے نابالغ مجرموں کے لیے تعزیری سزائیں بیان کی گئی تھیں ان کو مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا ہے' جس کے متبادل کوئی دفعہ تعزیرات پاکستان میں شامل نہیں کی گئی' جو کہ کم سن نوجوانوں کو بے راہ روی کی ترغیب دینے کے مترادف ہے۔

(vii) (ا) مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ ۸ میں ''زنا موجب حد'' یا ''زنا بالجبر موجب حد'' کے لیے شہادت کا معیار مقرر کیا گیا تھا' جو کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا' تاہم زنا یا زنا بالجبر کی صورت میں اگر مذکورہ شہادت میسر نہ ہو اور ریکارڈ سے جرم کے واقع ہونے کا اثبات ہوتا ہو تو قانون مذکورہ کی دفعہ ۱۰ کے تحت تعزیری سزائیں بیان کی گئی تھیں۔ ''قانون تحفظ خواتین'' کے ذریعے مذکورہ بالا دفعہ ۸ سے ''زنا بالجبر موجب حد'' کے ثبوت کے لیے اسلامی معیارِ شہادت (یعنی اقرار یا چار عاقل و بالغ گواہان) کی

شرط کو ختم کر دیا گیا ہے۔اسی طرح دفعہ ۱۰ مذکورہ کو مکمل طور پر حذف کر دیا گیا ہے۔ اس طرح جرم ''زنا بالجبر'' زیر دفعہ ۳۷۵ و ۳۷۶ کے لیے معیارِ شہادت قانونِ شہادت آرڈر کے مطابق ہوگا نہ کہ قرآن وسنت کے مطابق۔

(۲) ''زنا بالرضا'' کے لیے تعزیرات پاکستان میں ''ازدواج کے بغیر جنسی تعلق'' (Fornication) کے نام سے دفعہ ۴۹۶۔بی کی صورت میں نافذ کیا گیا ہے' جس کو قبل ازیں ''فحاشی''(Lewdness) کا نام دیا گیا تھا۔اس دفعہ کے مطابق ''اگر ایک مرد وعورت جو کہ ایک دوسرے سے تعلق ازدواج میں وابستہ نہ ہوں' اور وہ باہمی رضامندی سے جنسی تعلق استوار کریں تو وہ Fornication یا ''ازدواج کے بغیر جنسی تعلق'' کے مرتکب ہوں گے' جس کی سزا پانچ سال قید اور دس ہزار روپے جرمانہ تک ہوسکتی ہے''۔

(۳) قانونی تعریف کے اعتبار سے دفعہ ۴۹۶۔بی مذکورہ کے تحت شادی شدہ و غیر شادی شدہ دونوں قسم کے مجرموں کو جو باہمی رضامندی سے ارتکاب جرم کریں' ثبوت جرم پر مذکورہ بالا سزا دی جاسکتی ہے' نہ کہ رجم یا سو کوڑے۔

(۴) زیر دفعہ ۴۹۶۔سی تعزیرات پاکستان' جرم زیر دفعہ ۴۹۶۔بی کی نسبت دعوے داری کرنے اور شہادت دینے والوں کو جو بعد میں جھوٹی ثابت ہو' کو بھی جرم زیر دفعہ ۴۹۶۔بی کی سزا کا سزاوار ٹھہرایا گیا' نہ کہ الزام کنندہ کو حد قذف کا۔دفعہ ۴۹۶۔سی کے فقرہ شرطیہ (proviso) کی رو سے' یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عدالت الزام کنندہ اور گواہان کے خلاف از خود زیر دفعہ ۴۹۶۔سی کارروائی کرے گی' اگر ملزم پر زیر دفعہ ۴۹۶۔بی کے خلاف جرم ثابت نہ ہوسکا۔

(۵) جرمِ زنا حدود اللہ کی خلاف ورزی ہے جو کہ بمطابق شریعت ایک قابل دست اندازیٔ سرکار جرم (Cognizible offence) ہے۔قانون تحفظِ خواتین میں جرم ''زنا بالرضا'' زیر دفعہ ۴۹۶۔بی تعزیرات پاکستان اور زیر دفعہ ۵ حدِّ زنا آرڈیننس' دونوں ہی کو ضابطہ فوجداری ۱۹۰۸ء کے دوسرے جدول میں ترمیم کے بعد قابل ضمانت (Bailable) اور ناقابل دست اندازی پولیس (Non-cognizible) بنا دیا گیا ہے۔اس طرح اگرچہ مذکورہ ترمیمی قانون کے نفاذ کے بعد ''ملزم/ملزمان جرمِ زنا'' کا گرفتار ہونا' عملاً ممکن نہیں' تاہم بالفرض

محال اگر زنا بالرضا کا ملزم یا ملزمان ایک دن گرفتار ہوتے ہیں، تو اسی دن وہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۴۹۶ کے تحت پولیس یا عدالت کو شخصی ضمانت دے کر کھلے بندوں پھر سکتے ہیں۔ اس طرح جرم کی سزا کو انتہائی کم، ثبوت کے طریق کار کو انتہائی مشکل رکھ کر اور ملزمان کے ارتکابِ جرم کے وقت جرم کو نا قابل دست اندازی پولیس قرار دے کر اور بعد از ارتکابِ جرم وبصورت گرفتاری فوری ضمانت کی سہولیات دینے سے مذکورہ ترامیم کے مقاصد یعنی معاشرے میں مادر پدر آزادی، فحاشی وجنسی بے راہ روی کو فروغ دینا کھل کر سامنے آتے ہیں۔

(٦) قانون بنانے والوں کی علمی استعداد وفراست کو بھی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے جرم زیر دفعہ ۴۹۶۔ بی تعزیرات پاکستان کے لیے ''Fornication'' کی اصطلاح استعمال کی ہے، حالانکہ یہ اصطلاح صرف اسی صورت مستعمل ہے جبکہ دونوں فریقین غیر شادی شدہ ہوں نہ کہ باہمی طور پر غیر شادی شدہ، اور اگر فریقین میں سے کوئی ایک بھی فریق شادی شدہ ہو تو اُس وقت یہ جرم انگریزی قانون میں ''Adultery'' کہلائے گا، تاہم دفعہ ۴۹۶۔ بی تعزیرات پاکستان کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اس میں ''Fornication'' اور ''Adultery'' دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔

(٧) ضلع کی سطح پر فوجداری عدالتوں میں مجرموں کو سزا دینے کی شرح (conviction rate) پولیس کی نااہلی، استغاثہ کے گواہوں کی عدم حاضری اور سرکاری تفتیشی واستغاثہ کے اہلکاروں کی ملی بھگت کے نتیجے میں پانچ فیصد سے بھی کم ہے، اور مقدمات میں شہادت قلم بند ہونے کے بعد یہ شرح نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ تو بھلا ہو اُن ملزموں کا جو مقدمات سے پیچھا چھڑانے کے لیے اعترافِ جرم (Plead Guilty) کر لیتے ہیں، اور سزا یافتہ ہو کر شرح سزا (conviction rate) کو بناتے ہیں، ورنہ فوجداری مقدمات میں شاید ہی کوئی ایسا مقدمہ ہو جو کہ ثبوت کی بنا پر سرکار یا استغاثہ ثابت کر سکے۔ اور یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں جرائم کی شرح میں روز افزوں اضافہ دیکھنے میں آتا ہے۔ اندریں حالات ڈسٹرکٹ سطح کی عدالتوں میں زیر دفعہ ۴۹۶۔ بی تعزیرات پاکستان ''زنا بالرضا'' کے مقدمات کا فیصلہ دیگر مقدمات سے مختلف نہ ہونے کا زیادہ

امکان ہے۔ ملزمان ارتکابِ جرم کے بعد ضمانت لیے کھلے عام پھریں گے اور عدالتوں میں دیگر مقدمات کی طرح ''جرم زنا بالرضا'' کے انبار لگے رہیں گے۔ مزید یہ کہ جرم کے اعتراف کی صورت میں بھی مجرم کو''حدِ زنا'' کی سزا نہیں دی جا سکے گی' کیونکہ ''تحفظ حقوق خواتین کے قانون'' کے تحت تعزیرات پاکستان میں شامل دفعات کے تحت جرم''زنا'' کو عدالت حدود آرڈیننس کے تحت''حدِ زنا'' کی سزا دینے کا اختیار نہیں رکھتی۔ یہ کارنامہ حدِ زنا آرڈیننس میں ایک نئ دفعہ ۵۔ اے کے ادخال اور آرڈیننس مذکورہ کی دفعہ ۲۰ سے پہلے فقرہ شرطیہ (proviso) کو حذف کر کے انجام دیا گیا ہے۔ دفعہ۵۔اے مذکورہ کے ذریعے ''جرمِ زنا موجبِ حد'' زیر دفعہ۵''حد زنا آرڈیننس'' کے تحت فیصلہ کرنے والی عدالت''جرم زنا بالرضا موجبِ تعزیر'' زیر دفعہ ۴۹۶۔بی تعزیرات پاکستان کی سماعت اور اس کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اگر کوئی مجرم ۴۹۶۔بی تعزیرات پاکستان کے تحت اقرارِجرم کر لے تو اس پر''زنا بالرضا'' کے اقرارِ جرم کی سزا صرف پانچ سال قید اور دس ہزار روپے جرمانے تک کی سزا نافذ کی جا سکے گی نہ کہ سو کوڑے یا رجم۔ مزید یہ کہ دفعہ ۲۰ حد زنا آرڈیننس کا پہلا فقرہ شرطیہ (proviso) جو کہ حذف کیا گیا ہے' حدود کے تحت مقدمات کا فیصلہ کرنے والی عدالت کو یہ اختیار فراہم کرتا تھا کہ وہ دیگر قوانین کے تحت کیے گئے جرائم کی سزا بھی دینے کی مجاز ہوتی۔ یہی حشر حدِّ قذف آرڈیننس کی دفعہ ۱۷ کے پہلے جملہ شرطیہ (proviso) کو حذف کر کے کیا گیا ہے۔

(viii) ''زنا بالجبر'' کے لیے''سزائے رجم'' اور''سوکوڑوں'' کی سزا کو' جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے' حدِّ زنا آرڈیننس اور جملہ قوانین سے یکسر نکال دیا گیا ہے۔ اس کے لیے حدِّ زنا آرڈیننس کی دفعہ ٦ کی مکمل منسوخی کی گئی ہے' جبکہ طریق سزا کی نسبت دفعہ ۱۷ میں جزوی ترامیم کی گئی ہیں۔

(xi) زنا آرڈیننس کی دفعہ ۱۹ کو مکمل طور پر منسوخ کیا گیا ہے' جس کے ذریعے تعزیرات پاکستان ۱۸۶۰ء مذکورہ دفعات نسبت زنا بزن غیر (Adultery) وغیرہ کی دفعات کو منسوخ کیا گیا تھا۔ اس تنسیخ سے مذکورہ دفعات خود بخود نافذ العمل اور revive نہیں ہوں گی۔ ''روشن خیال' اعتدال پسند پاکستان'' کے علم برداروں کے عزائم اس سے کھل کر سامنے آتے

ہیں، جن کے نزدیک مستقبل قریب میں عہد جاہلیت کے قوانین کو بحال کرنا بھی ''تحفظ حقوق خواتین'' ہوگا۔

(x) عدلیہ کی آزادی کا ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ جب اعلیٰ عدالتیں حتمی طور پر کسی مقدمہ کا فیصلہ کرلیں اور اپیل کے تمام حقوق استعمال کرنے کے بعد بھی وہ فیصلہ بحال رہے تو اس فیصلہ کو نافذ کیا جائے۔ یہ نہ صرف عدلیہ کی آزادی کا مظہر ہے بلکہ آئین پاکستان کے آرٹیکل ۴ میں مذکور بنیادی حق ''قانون کے سامنے برابری، یکساں سلوک اور یکساں قانونی تحفظ'' کا حاصل بھی۔ مزید یہ کہ یہ امر عامۃ الناس میں عدالتوں پر اعتماد میں اضافہ کرتا ہے، تاہم ظلم اور ناانصافی کی بنیاد خود آئین کے آرٹیکل ۴۵ کی صورت میں، آئین پاکستان کا حصہ ہے جس کے تحت صدر پاکستان کسی بھی عدالت حتیٰ کہ سپریم کورٹ تک کے فیصلے کے حتمی ہونے کے بعد بھی کسی مجرم کو معاف یا اس کی سزا میں تخفیف، یا اس کی سزا کو ایک قسم کی سزا سے دوسری قسم کی سزا میں تبدیل کرسکتا ہے۔ یہ شق نہ صرف خلافِ اسلام ہے بلکہ عدل وانصاف کے تمام تر تقاضوں کے منافی ہے۔ حال ہی میں مرزا طاہر حسین جو کہ ایک برطانوی نژاد پاکستانی تھا، کی سزائے موت کو برطانوی وزیراعظم کی آمد کے تحفہ کے طور پر، صدر پاکستان نے عمر قید میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح سپریم کورٹ کے فیصلے کی دھجیاں بکھیرنا تو ایک طرف مستغیث فریق کی رضامندی کے بغیر یہ فیصلہ نہ صرف خلاف اسلام تھا بلکہ ان کے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف تھا۔ اگر یہ قرین انصاف تھا تو اس طرح کے دیگر دیسی ملزمان اس طرح کے ''انصاف اور قانون کے یکساں سلوک اور تحفظ'' سے کیوں محروم رکھے جاتے ہیں؟

ضابطہ فوجداری ۱۹۰۸ء کے انتیسویں باب میں نہ صرف صدرِ مملکت بلکہ صوبائی حکومت کو بھی اسی طرح سزاؤں میں تخفیف یا ان کی تبدیلی کا اختیار دیا گیا ہے۔ یہ اختیار حدِّ زنا آرڈیننس میں مذکورہ ''جرمِ زنا بالرضا'' و ''جرم زنا بالجبر'' کی سزاؤں کی نسبت ناقابل اطلاق قرار دیا گیا تھا۔ حدِّ زنا آرڈیننس کی دفعہ ۲۰ کی ذیلی شق ۵ کی منسوخی کے بعد ضابطہ فوجداری کے مذکورہ اسباب ۲۹ کا اطلاق زنا بالرضا موجب حد کی نسبت بھی ہوگا۔ اس طرح اگر عدالت عظمیٰ بھی ''حدِّ زنا بالرضا'' کے مقدمہ میں حتمی فیصلہ کرلے جو کہ مذکورہ ترامیم کے بعد محال ہے، تب بھی صدر مملکت اپنے اختیارات کے تحت ایسے چہیتے مجرموں کو معاف کرنے یا ان کی سزا میں تغیر وتبدل کا اختیار رکھتا ہے۔ اس طرح الٰہی احکام اور اس کے نفاذ کو بندوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

(xi) ''زنا الرضا موجب حد'' کے مقدمہ کے اندراج کے طریق کار میں بھی واضح تبدیلی ضابطہ فوجداری میں ایک نئی دفعہ ۲۰۳۔اے کے ادخال کے ذریعے کی گئی ہے۔ اب تک مدعی/مستغیث کی رپورٹ پر یا عدالت میں استغاثہ دائر کرنے پر ملزم کے خلاف قانونی کارروائی شروع کی جاتی' تاہم مذکورہ دفعہ کے ادخال کے بعد مقدمہ ''زنا بالرضا'' کے استغاثہ کا طریق کار (procedure) کچھ اس طرح سے ہوگا:

(ا) مدعی/مستغیث مقدمہ دعوے داری کے وقت اپنے ہمراہ اپنے علاوہ چار مسلم بالغ و عاقل گواہان جو کہ تزکیۃ الشہود کی شرائط پر پورے اُترتے ہوں' کو سیشن کورٹ لے کر جائے گا' جہاں اُن سب کے برحلف بیان عمل زنا کے عینی وقوعہ کے شاہدوں کے طور پر قلمبند کیے جائیں گے۔ حالانکہ مذکورہ شہادت سزائے جرم کے لیے مطلوب ہے نہ کہ ابتدائے مقدمہ کے لیے۔ اگر عدالت کا مذکورہ بیانات کی روشنی میں وقوعہ کے ہونے پر اعتماد ہو تو وہ ملزم کی حاضری کے لیے ''صرف سمن'' جاری کرے گی اور ملزم کی حاضری کی صورت میں ملزم کو عرصہ دراز تک جیل کی یاسیت و مایوسی سے بچنے کے لیے فوراً ضمانت دی جائے گی۔ اگر عدالت کو وقوعہ کی صحت پر اطمینان نہ ہو تو عدالت مدعی/مستغیث کی درخواست کو خارج کر دے گی' اور اس صورت میں اگر عدالت کو یہ اطمینان ہو کہ مدعی اور گواہ ''قذف'' کے مرتکب ہوئے ہیں' تو گواہوں اور مستغیث مقدمہ پر قذف آرڈیننس کی دفعہ ۷ کے تحت فوراً سزا لاگو کرے گی۔ سزائے ''حدِّ قذف'' کا یہ نرا اصول حدِّ قذف آرڈیننس کی دفعہ ٦ میں ایک نئی ذیلی شق ۲ کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

(۲) مقنّنہ کی سوچ کی بلندی اور وسعت کو داد دینی پڑتی ہے کہ ایک طرف تو مقدمہ کی رپورٹ کے ساتھ ہی جملہ شہادت کو لازم قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف مستغیث مقدمہ اور گواہوں کی شنوائی کے بعد عدالت بجائے اس کے کہ ''محترم ملزم'' کو طلب کرے اور مظلوم کی دادرسی کرے یا حدود اللہ کو نافذ کرے' اس کو نہ صرف استغاثہ خارج کرنے کا مجاز بنایا گیا ہے' بلکہ مستغیث و گواہوں کو اُسی وقت سزا دینے کا اختیار دیا گیا ہے۔

یہی طریق عمل ''جرم زنا بالرضا'' زیر دفعہ ۴۹٦۔ بی' تعزیرات پاکستان کے ساتھ ضابطہ فوجداری میں ایک نئی دفعہ ۲۰۳۔سی کے ادخال سے کیا گیا ہے' البتہ اس جرم کے لیے مستغیث کے علاوہ گواہوں کی تعداد کم از کم دو مقرر کی گئی ہے۔

7

اس طرح انصاف تک رسائی کے مواقع کو انتہائی محدود اور حدود اللہ کے نفاذ کے ذرائع کو انتہائی مسدود کر کے، اس امر کی بالواسطہ کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی طور ''حد'' نافذ نہ ہونے پائے اور نہ ہی ملزمِ زنا کے خلاف عدالت میں کوئی قانونی چارہ جوئی کی جا سکے۔ یہاں یہ بھی کہنا برمحل ہوگا کہ اس کرۂ ارض پر اس قدر امتیازی قوانین شاید ہی کسی ملک میں نافذ کیے گئے ہوں۔

اسلام کا قانونِ قذف ولعان، حدِّ قذف آرڈیننس اور تحفظِ خواتین کا قانون

(i) قرآن حکیم میں مؤمنوں کی عصمت وعفت اور شہرت کے تحفظ کے لیے قانونِ قذف بہت جامع طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًاۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْاۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥﴾ (النور)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو، اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت کے بعد تائب ہو جائیں اور اصلاح کر لیں تو اللہ ضرور (اُن کے حق میں) غفور ورحیم ہے۔''

مذکورہ بالا آیت سے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی روشنی میں اسلامی قانونِ قذف کی نسبت حسبِ ذیل بنیادی اصول وضع کیے گئے ہیں:

(۱) اگرچہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں تذکرہ ''پاک دامن عورتوں'' کا ہے، لیکن یہی حکم پاک دامن مَردوں کے لیے بھی ہے۔

(۲) الزام کی نسبت سزا تب ہی لاگو ہوگی جب یہ پاک دامن عورتوں یا مَردوں پر لگایا جائے۔ اگر کسی شخص کی بدکاری ''معروف'' ہو تو اس پر لگائے جانے والے الزام کے لیے عدالت یا مسلم ملک کی مجلس شوریٰ تعزیری سزا تجویز کر سکتی ہے۔

(۳) قاذف (قذف کا الزام لگانے والے) کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ بالغ و عاقل ہو اور اس نے اپنے آزادانہ ارادے سے ''تہمتِ زنا'' عائد کی ہو۔

(۴) مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہو) کے لیے لازم ہے کہ وہ بالغ و عاقل ہو' آزاد مسلمان ہو اور عفیف ہو' یعنی پاک باز ہو۔

(۵) فعلِ قذف کے ارتکاب کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: اولاً کسی پر الزام زنا عائد کرنا اور ثانیاً کسی کو ولدالزنا قرار دینا۔

(۶) قاذف کو اگر کوئی شے حد کی سزا سے بچا سکتی ہے تو وہ یہ کہ ملزم اپنے الزام کے ثبوت میں چار عینی گواہ پیش کرے۔ البتہ ثبوتِ جرمِ قذف کے لیے شہادت کا معیار ملزم کا اقرار یا دو مسلم' عاقل و بالغ گواہوں کی شہادت ہے' یا اگر ملزم عدالت کے سامنے ارتکابِ جرمِ قذف کرے۔

(۷) جرمِ قذف قابل دست اندازی سرکار (cognizible offence) ہے یا نہیں' اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ یہ حق اللہ ہے اس لیے قاذف پر بہر حال حد جاری کی جائے گی' خواہ مقذوف مطالبہ کرے یا نہ کرے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ اس معنی میں حق اللہ تو ضرور ہے کہ جب جرم ثابت ہو جائے تو حد جاری کرنا واجب ہے' لیکن اس پر مقدمہ چلانا مقذوف کے مطالبے پر موقوف ہے' اور اس لحاظ سے یہ حقِ آدمی ہے' یہی رائے امام شافعی اور امام اوزاعی کی بھی ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ اگر حاکم کے سامنے قذف کا ارتکاب کیا جائے تو یہ جرم قابل دست اندازی سرکار ہے' ورنہ اس پر کارروائی کرنا مقذوف کے مطالبے پر منحصر ہے۔

(بحوالہ تفہیم القرآن' جلد سوم' از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

(ii) اب ہم ''حدِّ قذف'' کی نسبت سے ''قانون تحفظ خواتین'' کا جائزہ لیں گے۔

(۱) جرمِ قذف (نفاذِ حد) آرڈیننس ۱۹۷۹ء کی دفعہ ۱۹ میں قانون مذکورہ کو دیگر قوانین پر برتر (Over riding effect) قرار دیا گیا تھا۔ ''قانون تحفظ خواتین'' کے نام پر مذکورہ دفعہ ۱۹ کو منسوخ کیا گیا ہے' اس طرح ''اسلامی قانونِ قذف'' کو دیگر قوانین کے برابر لا کھڑا کیا گیا ہے۔

(۲) آرڈیننس کی دفعہ ۴ میں قذف کی اقسام یعنی قذف موجب حد اور قذف موجب تعزیر بیان کی گئی ہیں۔ مذکورہ دفعہ ۴ اور قذف موجب تعزیر کی نسبت دفعات ۱۰ اور ۱۱ کو منسوخ کیا گیا ہے۔

(۳) آرڈیننس کی دفعہ ۶ میں اضافی شق (۲) شامل کی گئی ہے، جس کے تحت اگر عدالت ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۰۳۔اے (جس کی تفاصیل اوپر مذکور ہیں) کے تحت الزامِ زنا کا استغاثہ خارج کرتی ہے، یا کسی ملزمِ زنا کو بری کرتی ہے اور وہ اس بات سے مطمئن ہو کہ قذف موجب حد کا ارتکاب ہوا ہے تو وہ بلا کسی ثبوت طلب کیے قذف موجب حد کی سزا دے گی۔ مذکورہ بالا دفعہ کی وجہ سے جرم زنا کی نسبت استغاثہ دائر کرنے کی حوصلہ شکنی ہو گی، کیونکہ مستغیث اور گواہوں کے سروں پر ہر وقت ''قذف موجب حد'' کی سزا کی تلوار لٹکتی رہے گی۔ مزید برآں کسی ملزم کا کسی جرم سے بری (acquit) کیے جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ معصوم تھا اور مستغیث اور گواہوں نے اسے ایک جھوٹے مقدمہ میں پھنسا دیا ہے، کیونکہ موجودہ قانونی نظام میں اس کے دیگر بھی کئی عوامل اور وجوہات ہو سکتی ہیں، لیکن دفعہ مذکورہ کے ادخال کی بنیاد یہی مفروضہ (presumption) ہے۔

(iii) آرڈیننس کی دفعہ ۸ سے ''یا پولیس کو رپورٹ کرنے'' کے الفاظ حذف کیے گئے ہیں۔ اس طرح قذف موجب حد کی نسبت درخواست/استغاثہ صرف عدالت مجاز میں ہی کیا جا سکے گا۔ اس استغاثہ کا طریقہ کار ضابطہ فوجداری میں دفعہ ۲۰۳۔اے کی طرز کی ایک نئی دفعہ ۲۰۳۔ب کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے حصول انصاف کے ذرائع کو محدود کر کے خواتین کو تحفظ پہنچانے کی کون سی سعی کی گئی ہے؟

(iv) (ا) ''لعان'' کا قانون سورۃ النور کی آیات ۶ تا ۹ میں بیان کیا گیا ہے اور اس کی تمام تر تفاصیل سنتِ رسولؐ سے واضح ہیں۔ اجمالاً اگر کوئی ''مرد'' اپنی بیوی پر الزامِ زنا عائد کرے، اپنے سوا گواہوں کی عدم موجودگی میں، اور بیوی اس الزام کی صحت سے انکار کرے تو اس صورت میں مرد چار مرتبہ اپنی گواہی دے گا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گا کہ اُس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔ اسی طرح عورت چار مرتبہ الزام کے جھوٹے ہونے کی نسبت گواہی دے گی اور پانچویں مرتبہ یہ کہے گی کہ اُس بندی پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ یعنی اس کا

شوہر الزام میں سچا ہو ـــــ اس عمل کے بعد عدالت فریقین کے مابین تفریق کرا دے گی۔

(۲) لعان کے مذکورہ طریق کار (procedure) کے دوران اگر عورت رضا کارانہ اقرار جرم کرلے تو اس پر حد زنا نافذ کی جائے گی۔ یہ طریق حدِّ قذف آرڈیننس کی دفعہ ۱۴ کی شق ۴ میں مذکور ہے۔ تاہم تحفظ خواتین کے قانون کے ذریعے مذکورہ شق کو منسوخ کیا گیا ہے جو کہ خلافِ اسلام اور ''جرمِ زنا موجبِ حد'' کی نسبت موجود اسلامی قانون شہادت کا مذاق ہے۔

(۳) حدِّ قذف آرڈیننس کی دفعہ ۱۴ کی ذیلی شق ۳ میں ''لعان'' کے طریق کار سے گزرنے سے انکار کی صورت میں تادیبی طریق کار بیان کیا گیا ہے۔ مذکورہ دفعہ کو بھی تحفظ خواتین کے لیے منسوخ کیا گیا ہے۔ اس تنسیخ کے بعد اگر کوئی شوہر لعان کے طریق کار سے گزرنے کا انکار کرلے تو وہ عورت کو ہمیشہ کے لیے معلق رکھ سکتا ہے' جو کہ اسلامی قانون کی روح سے متصادم ہے' اور اس سے عورت کے حق کے تحفظ کے بجائے اس کے حق اور آزادی کی پامالی کا زیادہ احتمال ہے۔

(۴) ''لِعان'' کے ذریعے زوجین (میاں بیوی) کے درمیان تفریق کی بنیاد ''الزامِ زنا'' ہے' اس لیے یہ اسلامی فوجداری قانون کا حصہ ہے۔ جبکہ تحفظ نسواں کے قانون کے ذریعے اسے محض طریقِ تنسیخ نکاح گردان کر مسلمانوں کے قانون انفساخ ازدواج ۱۹۳۹ء کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ بھی اسلامی قوانین کی روح سے متصادم ہے۔

{اس مضمون کا ''خلاصۂ بحث'' ندائے خلافت کے شمارہ ۴۳ (اشاعت خصوصی بحوالہ تحفظ حقوقِ نسواں بل) میں شائع کر دیا گیا ہے۔}

پس چہ باید کرد:

☆ عوام اور علماء کے درمیان قرآن کی بنیاد پر ارتباط بڑھانے اور عوام میں اسلامی شعور بیدار کرنے کی ضرورت کو اہمیت دی جائے اور علماء اور عوام کے درمیان فاصلے کو مٹانے کی عملی کوششیں کی جائیں۔

9

☆ قرآن وسنت کی روشنی میں اسلام کی انفرادی اوراجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں کی نسبت شعوراُجاگرکیا جائے۔
☆اسلام کوبطورمکمل نظامِ حیات اجاگرکیا جائے۔
☆ سیاسی وابستگیوں سے اورفروعی مسائل سے بالاتر ہوکراتحاد بین المسلمین کی عملی مساعی کی جائیں۔
☆ ''اسلام کے''حدودقوانین'' کی حفاظت کے لیے نہ صرف فکری بلکہ عملی جدوجہد کی جائے' اورموجودہ حکمرانوں کواس بات پر مجبور کیا جائے کہ مذکورہ قانون کی تمام خلافِ اسلام دفعات کومنسوخ قراردیں۔
☆ قانونی لحاظ سے''تحفظ خواتین کا قانون'' آئین کی اجتماعی سکیم کےاسلامی طرزاوراس کی دفعہ۲۲۷ سےمتصادم ہے'اس کومناسب عدالتی فورمز (furums) پرچیلنج کیا جائے۔
☆ خلاف اسلام قانون سازی کے خلاف حتی الامکان اس امر کی قانونی وعملی جدوجہد کی جائے کہ قرآن وسنت کواس ملک کا سپریم قانون قراردیا جائے۔
☆ اللہ سے اپنے گناہوں پر استغفارکیا جائے اوراسلام کے لیےعملی جدوجہد کی تیاری کے ساتھ ساتھ بھرپوردعااورخاص طور پرقیام اللیل کا اہتمام کیا جائے۔
☆ انفرادی زندگی میں مکمل اسلام پرکاربندرہا جائے۔
☆ ملک اورعالمِ اسلام میں مکمل اسلامی نظامِ حیات کے لیےاجتماعی مساعی کوتیزترکیا جائے۔
دعوت الی اللہ بالقرآن کوبھرپورطریقے سےانجام دیا جائے۔

اقول قولی ھذا واستغفراللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات OO

''قلبِ سلیم''

قرآنی تعلیمات کے تناظر میں

عتیق الرحمٰن صدیقی

قرآن حکیم میں ''قلبِ سلیم'' کے الفاظ دو مقامات پر استعمال ہوئے ہیں' ایک سورۃ الشعراء میں اور دوسرے سورۃ الصّٰفّٰت میں۔ سورۃ الشعراء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ اور اپنی قوم سے مکالماتی اسلوب میں تصورِ توحید کی وضاحت کرتے ہیں اور ان کے عقیدے کا بطلان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبادت اور بندگی کے لائق تو صرف اللہ ہے جس نے پیدا کیا' رہنمائی فرمائی' کھانے پینے کو دیا اور بیماری میں شفا عطا فرمائی۔ وہی موت دے گا اور زندگی بھی بخشے گا۔ حضرت ابراہیمؑ مزید فرماتے ہیں کہ: ''میں امید رکھتا ہوں کہ روزِ جزا وہ میری خطا معاف فرمائے گا''۔ اس کے بعد جناب ابراہیمؑ بارگاہِ ربّ العزت میں دعا فرماتے ہیں اور دعا کے آخر میں اللہ سے التجا کرتے ہیں:

﴿وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾﴾ (الشُّعراء)

''اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجیو جب سب لوگ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے' جس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد' بجز اس شخص کے جو اللہ کے پاس قلبِ سلیم لیے ہوئے حاضر ہو۔''

سورۃ الصّافّات میں بھی تذکرۂ ابراہیم علیہ السلام کے تناظر میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں:

﴿وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۴﴾﴾ (الصّٰفّٰت)

''اور نوحؑ کے طریقے پر چلنے والا یقیناً ابراہیمؑ تھا' جب وہ اپنے ربّ کے حضور قلبِ سلیم لے کر آیا۔''

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قلب گوشت پوست کا وہ ٹکڑا (مُضغه) ہے جو سینے کے اندر موجود ہوتا ہے' مگر اہل علم کے نزدیک اس سے مراد عقل وشعور ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ قَلْبُ الشَّیْءِ کے معنی کسی چیز کو پھیرنے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنے کے ہیں' جیسے قَلْبُ الثَّوْبِ (کپڑے کو اُلٹنا) اور قَلْبُ الْاِنْسَان کے معنی انسان کو اس کے راستے سے پھیر دینے کے ہیں۔ قرآن میں ہے: ﴿وَاِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ۝۲۱﴾ (العنکبوت) ''اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔ بعض نے کہا کہ انسان کے دل کو بھی قلب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کثرت سے اُلٹتا پلٹتا رہتا ہے اور قلب کا لفظ بول کر اوصافِ قلبی مراد لیے جاتے ہیں' جیسے علم' شجاعت' روح وغیرہ۔ چنانچہ آیت کریمہ: ﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾ (الاحزاب: ۱۰) ''اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے'' میں قلوب سے ارواح مراد ہیں اور آیت کریمہ: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَـهٗ قَلْبٌ.....﴾ (قٓ: ۳۷) ''جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے اس کے لیے یقیناً اس (قرآن) میں نصیحت ہے'' میں قلب سے مراد علم وفہم ہے۔ (مفردات القرآن)

سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے دل کے اندھے پن کو اس طرح بیان کیا ہے:

﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۝۴۶﴾

''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں' بلکہ اندھے تو وہ دل ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔''

سیّد مودودی لکھتے ہیں کہ:

''خیال رہے کہ قرآن سائنس کی زبان میں نہیں بلکہ ادب کی زبان میں کلام کرتا ہے...... ادبی زبان میں احساسات' جذبات' خیالات' بلکہ قریب قریب تمام ہی افعالِ دماغ سینے اور دل ہی کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں' حتیٰ کہ کسی چیز کے ''یاد ہونے'' کو بھی یوں کہتے ہیں کہ ''وہ تو میرے سینے میں محفوظ ہے''۔

(تفہیم القرآن' جلد سوم' سورۃ الحج' حاشیہ ۹۱)

قلب کے ساتھ دوسرا لفظ ''سَلِیْم'' لایا گیا ہے۔ السّلمُ والسّلامۃ کے معنی ظاہری اور باطنی آفات سے پاک اور محفوظ رہنے کے ہیں۔ 'سلیم' اسی سے مشتق ہے اور قلبِ سلیم سے مراد ہے وہ دل جو دغا اور کھوٹ سے پاک ہو۔ یہ سلامتی باطن سے متعلق ہے' جبکہ ظاہری عیوب سے سلامتی کے متعلق فرمایا: ﴿مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ﴾ (البقرۃ: ۷۱) ''صحیح سالم ہو'

جس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔''

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ قلبِ سلیم کا مفہوم ذیل کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر ونفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہوگا وہ ہی وہاں کام دے گا' نرے مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ اگر کافر چاہے کہ قیامت میں مال واولاد فدیہ دے کر جان چھڑا لے' تو ممکن نہیں۔ یہاں کے صدقات وخیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو''۔(تفسیر عثمانی' سورۃ الشّعراء' آیت ۸۹)

اور سورۃ الصّافّات کی تفسیر میں حضرت ابراہیمؑ کی فکر سلیم کو یوں واضح کرتے ہیں کہ وہ جب اپنے والد گرامی اور قوم سے مخاطب ہوئے تو ان کے پاس یہ قیمتی اثاثہ موجود تھا:

''یعنی ہر قسم کے اعتقادی اور اخلاقی روگ سے دل کو پاک کر کے اور دُنیوی خرخشوں سے آزاد ہو کر انکسار وتواضع کے ساتھ اپنے ربّ کی طرف جھک پڑا اور اپنی قوم کو بھی بُت پرستی سے باز رہنے کی نصیحت کی''۔(تفسیر عثمانی' سورۃ الصّٰفّٰت' آیت ۸۴)

صاحب تفہیم القرآن 'قلبِ سلیم' کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''......اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے کام اگر کوئی چیز آ سکتی ہے تو وہ مال اور اولاد نہیں بلکہ صرف قلبِ سلیم ہے' ایسا دل جو کفر وشرک و نافرمانی اور فسق و فجور سے پاک ہو۔ مال اور اولاد بھی قلب سلیم ہی کے ساتھ نافع ہو سکتے ہیں' اس کے بغیر نہیں۔ مال صرف اس صورت میں وہاں مفید ہوگا جبکہ آدمی نے دنیا میں ایمان و اخلاص کے ساتھ اسے اللہ کی راہ میں صرف کیا ہو' ورنہ کروڑ پتی اور ارب پتی آدمی بھی وہاں کنگال ہوگا۔ اولاد بھی صرف اسی حالت میں وہاں کام آ سکے گی جبکہ آدمی نے دنیا میں اسے اپنی حد تک ایمان اور حسن عمل کی تعلیم دی ہو' ورنہ بیٹا اگر نبی بھی ہو تو وہ باپ سزا پانے سے نہیں بچ سکتا جس کا اپنا خاتمہ کفر ومعصیت پر ہوا ہو اور اولاد کی نیکی میں جس کا اپنا کوئی حصہ نہ ہو''۔(تفہیم القرآن' جلد سوم' سورۃ الشعراء' حاشیہ ۶۵)

اور دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ:

''اور ''قلب سلیم'' کے معنی ''صحیح سلامت دل'' کے ہیں' یعنی ایسا دل جو تمام اعتقادی اور اخلاقی خرابیوں سے پاک ہو' جس میں کفر وشرک اور شکوک وشبہات کا شائبہ تک نہ ہو' جس میں نافرمانی اور سرکشی کا کوئی جذبہ نہ پایا جاتا ہو' جس میں کوئی اینچ پیچ اور الجھاؤ نہ ہو' جو ہر قسم کے برے میلانات اور ناپاک خواہشات سے بالکل صاف ہو' جس کے

اندر کسی کے لیے بغض وحسد یا بدخواہی نہ پائی جاتی ہو، جس کی نیت میں کوئی کھوٹ نہ ہو''۔(تفہیم القرآن، جلد چہارم، سورۃ الصّٰفّٰت، حاشیہ ۴۴)

مولانا ابوالکلام آزاد 'قلبِ سلیم' کی وضاحت ذیل کے الفاظ میں کرتے ہیں:

''یہی وہ انسان کی فطرتِ اصلی ہے جسے قرآن کریم نے ''اسلام'' کے سوا قلبِ سلیم سے یاد کیا ہے۔ فی الحقیقت اسوۂ ابراہیمی میں سے پہلا اسوہ یہی 'قلبِ سلیم' یا ذوقِ فطرت کی صحت ہے''۔(ترجمان القرآن، جلد سوم، مرتبہ غلام رسول مہر)

مختصراً قلبِ سلیم بندۂ مؤمن کا دل ہے، یہ اللہ کی توحید کا قائل اور اس پر عمل پیرا دل ہے، یہ نہ صرف شرک و نفاق کی آلائشوں اور نجاستوں سے پاک ہوتا ہے بلکہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کامل حنیفیت منعکس ہوتی ہے۔ یہ صدق و اخلاص کا مخزن ہوتا ہے، سنتِ رسولؐ سے اسے بالیدگی اور طمانیت میسر آتی ہے اور اس میں بدعات سے نفور کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ یہ ایسا قابل رشک دل ہے جو اللہ کے خوف سے لرزتا اور پھڑکتا ہے۔ یہ اللہ کے سوا ہر دوسری محبت اور تعلق سے مصئون و محفوظ ہوتا ہے اور اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کا مکمل مصداق ہوتا ہے۔ حلقۂ یاراں میں یہ بریشم کی طرح نرم ہوتا ہے مگر رزمِ حق و باطل میں یہ فولاد بن جاتا ہے۔ یہ مَے لا الٰہ الاّ اللہ سے سرشار اور عالمِ من وتو سے بے نیاز ہوتا ہے۔ یہاں سوز و مستی اور جذب و شوق کا عالَم دیدنی ہوتا ہے۔ یہ داعئ حق کا دل ہے، اقامت دین کے لیے پیچ و تاب کھاتا ہے اور حالات کی نامساعدت کے باوجود اٹھ کھڑا ہوتا ہے، دشوار گزار راہوں سے رواں دواں گزرتا ہے، انشراحِ صدر کے ساتھ منزل کو پانے کی سعی کرتا ہے۔ یہ زندہ و بیدار دل مردِ خدا اور بندۂ مؤمن کا دل ہے، موت کو دیکھ کر بھی متبسم ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسے عقل کی منزل اور عشق کا حاصل قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقین
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمئ محفل ہے وہ

کلیاتِ اقبال کے شارح مولانا غلام رسول مہر نے ان اشعار کی نہایت جامع اور فکر انگیز وضاحت فرمائی:

''دنیا میں مردِ مؤمن ہی کا ایمان و یقین وہ مرکز ہے جس پر خدا کی پرکار گھومتی ہے۔ اسی

کی وجہ سے یہاں خدائی احکام جاری ہوتے ہیں' اس کی وجہ سے خدا کی رضا لوگوں کا نصب العین بنتی ہے۔ لہٰذا وہی اس دنیا میں حقیقی چیز ہے' باقی جو کچھ ہے وہ سراسر وہم ہے' دھوکا اور مجاز ہے' یعنی مردِ مؤمن کے ایمان و یقین کے سوا اس دنیا کی کسی شے کو پائیداری اور استواری نصیب نہیں......

مردِ مؤمن ہی عقل سلیم کا سرچشمہ ہے' اسی کو عشق حق کا حاصل کہا جا سکتا ہے' کائنات کی محفل میں جو رونق اور چہل پہل نظر آتی ہے وہ اسی کے دم سے ہے''۔

تقویٰ اور انابت بھی قلبِ سلیم کا خاصہ ہے۔ یہ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا)) ''تقویٰ یہاں ہے''۔ (مسلم) آپؐ نے یہ فرما کر اپنے دل کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ کیفیت نہ صرف تمام نیکیوں کی محرک ہے بلکہ تمام تر عبادات کا مقصود اور اخلاقی تعلیمات کا ماحصل ہے۔ جس دل میں انابت کی کیفیت ہو قرآن حکیم نے اسے قلب منیب سے تعبیر کیا ہے اور اس سے مراد ایسا دل ہے جو ہر طرف سے رُخ پھیر کر ایک اللہ کی طرف مڑ گیا ہو اور پھر زندگی بھر جو اَحوال بھی اس پر گزریں ان میں بار بار وہ اسی کی طرف پلٹتا رہا ہو۔ یہ کیفیت انبیاء کرام علیہم السلام میں بدرجۂ اتم موجود ہوتی تھی' وہ مبعوث بھی اس لیے ہوئے کہ انسانوں کے نفوس کا تزکیہ کریں۔ اسی ہدف کو سامنے رکھ کر وہ دعوتی اور اصلاحی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل رہے اور دین حق کے غلبہ و استیلاء کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں بروئے کار لاتے رہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا اُسوۂ حسنہ اسی امر کا مقتضی ہے کہ ہم معاشرے کی اصلاح و تطہیر اور فکر و نظر کو صحت مند بنانے کے لیے انہی خطوط پر اپنے کام کی منصوبہ بندی کریں۔ قلبِ سلیم سے مستنیر ہوئے بغیر ہم کبھی فوز و فلاح سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔ OO

ذوالحجہ کے دس دن

پروفیسر محمد یوسف ضیاء

اللہ تعالیٰ نے بعض مہینوں‘ دنوں اور راتوں کو دیگر مہینوں‘ دنوں اور راتوں پر فضیلت بخشی ہے‘ تاکہ مسلمان کے شوقِ عمل میں اضافہ‘ اطاعتِ الٰہی میں رغبت اور ایمان میں تازگی اور پختگی ہو‘ اور انسان اپنے نامۂ اعمال میں زیادہ سے زیادہ اجر وثواب جمع کر سکے اور موت سے پہلے پہلے قبر کی تیاری اور اخروی زندگی کے لیے توشہ تیار کر سکے۔ لہٰذا خوش نصیب ہے وہ انسان جو اِن مہینوں‘ دنوں اور راتوں کے لمحات کو غنیمت جان کر اطاعتِ الٰہی کے وظائف واعمال سے اپنے ربّ جلیل اور آقا ومولیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

مسلمان انسان کی زندگی میں آنے والے ایّام میں سے ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن انتہائی قیمتی اور قابل قدر ہیں‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان ایام کو دیگر ایام پر بہت فضیلت بخشی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ اَیَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِیْهِنَّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْهُ فِیْ هٰذِهِ الْاَیَّامِ الْعَشْرِ)) قَالُوْا : وَلَا الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ : ((وَلَا الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِلاَّ رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَلَمْ یَرْجِعْ مِنْ ذٰلِکَ بِشَیْءٍ))(۱)

’’ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کے مقابلے میں دوسرے کوئی ایام ایسے نہیں جن میں نیک عمل اللہ کو ان دنوں سے زیادہ محبوب ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں‘ سوائے اُس مجاہد کے جو اپنی جان اور مال لے کر نکلا اور پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہیں آیا۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک دوسری روایت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ عَمَلٍ اَزْکٰی عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلَا اَعْظَمَ اَجْرًا مِنْ خَیْرٍ تَعْمَلُهٗ فِیْ

عَشْرِ الْاَضْحٰی)) قِيْلَ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ؟ قَالَ : ((وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِکَ بِشَيْءٍ))(۲)

''عید الاضحیٰ کے دس دنوں کے مقابلے میں دوسرے کوئی ایام ایسے نہیں جن میں تیرا نیک عمل اللہ کے ہاں ان دنوں سے زیادہ پاکیزہ اور اجر میں زیادہ ہو''۔عرض کیا گیا: اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں' سوائے اس مجاہد کے جو اپنی جان اور مال لے کر (جہاد کے لیے) نکلا اور پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہیں آیا''

مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ دیگر صحیح احادیث بھی ذوالحجہ کے دس دنوں کی فضیلت کو سال کے دیگر تمام ایام حتیٰ کہ رمضان المبارک کے آخری دس ایام پر بھی ثابت کرتی ہیں۔امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ یہ دس ایام سال کے دیگر تمام ایام سے افضل ہیں' کیونکہ حدیث مبارک ان کی فضیلت کو واضح کرتی ہے اور بہت سے اہل علم نے ان ایام کو رمضان کے آخری دس ایام پر بھی فضیلت دی ہے۔اس لیے کہ ان دنوں میں وہ تمام کام کیے جا سکتے ہیں جو رمضان کے دنوں میں مشروع اور جائز ہیں' مثلاً نماز' روزہ اور صدقہ وغیرہ۔جبکہ ذوالحجہ کے دس دن فریضۂ حج کی ادائیگی اور مشروعیت کی وجہ سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ایام شب قدر سمیت تمام ایام سے افضل ہیں' حالانکہ شب قدر ہزار مہینے سے افضل ہے۔

کچھ اہل علم نے اعتدال کی راہ اپنائی ہے اور کہا ہے کہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن سال کے دیگر تمام ایام سے افضل ہیں اور رمضان کے آخری عشرے کی راتیں سال کی دیگر تمام راتوں سے افضل ہیں۔اس قول کے مطابق تمام دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی تعارض نہیں رہتا۔واللہ اعلم''۔(۳)

عشرۂ ذوالحجہ میں کرنے کے کام

انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں اور احسانات ہیں' زندگی کے شب و روز میں اِن مبارک دس ایام کو پالینا بھی ایک عظیم نعمت ہے۔لہٰذا صاحب بصیرت' باشعور اور صالح انسان

اِن ایام کی خوب قدر کرتا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس نعمت کا احساس کرتے ہوئے ان ایام کے لمحات کو غنیمت جان کر نیکی کا خوب اہتمام کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں اپنے نفس سے مجاہدہ کرے۔

ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں کرنے کے عظیم الشان اعمال اور مختلف قسم کی نیکیاں ہیں' مسلمان کو چاہیے کہ ان اعمال وحسنات کی رغبت کرے۔ ان دنوں میں مندرجہ ذیل اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۱) روزہ رکھنا

نو ذوالحجہ کا روزہ رکھنا ایک مسنون عمل ہے' لہٰذا مسلمان کو اس دن کا روزہ رکھنا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان ایام میں نیک اعمال کی ترغیب دی ہے اور روزہ ایک انتہائی افضل عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزے کو اپنے لیے پسند فرمایا ہے' چنانچہ حدیث قدسی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ اِلَّا الصِّيَامَ فَاِنَّهُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهِ))[٤]

''اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزے کے' روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا''۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

مُرْنِیْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِی الْجَنَّةَ' قَالَ : ((عَلَيْکَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهُ لَا عِدْلَ لَهُ))[٥]

''حضور! مجھے کسی ایسے عمل کا حکم دیجیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے'' تو آپؐ نے فرمایا: ''روزہ رکھا کر! اس جیسا کوئی دوسرا عمل نہیں ہے''۔

رسول اکرم ﷺ سے یومِ عرفہ (نو ذوالحجہ) کے روزے کی فضیلت اور اجر وثواب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ))[٦]

''اس دن کا روزہ رکھنا گزشتہ سال اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔''

(۲) تکبیرات کہنا

ان دس ایام میں تحمید وتہلیل اور تسبیح کہنا مسنون عمل ہے۔ مسجدوں' گھروں' راستوں اور ان تمام جگہوں پر کہ جہاں اللہ کا ذکر کرنا جائز ہے' خوب تسبیح وتہلیل اور تحمید کی جائے۔ مرد

حضرات یہ اذکار کرتے وقت اپنی آوازیں بلند کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اظہار اور اس کی تعظیم کا اعلان ہو' البتہ خواتین اپنی آوازیں پوشیدہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ﴾ (الحج:۲۸)

''تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لیے حاضر ہوں اور (قربانی کے) ایامِ معلوم میں چہار پایانِ مویشی (کے ذبح کے وقت) جو اللہ نے ان کو دیے ہیں' ان پر اللہ کا نام لیں۔''

اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ سے مراد ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن اور اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ سے مراد ایامِ تشریق (۱۱' ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ) ہیں۔(۷)

سورۃ الحج کی مذکورہ بالا آیت میں اللہ کے ذکر سے مراد ربّ کائنات کی حمد وثنا کرنا اور اس کا شکر بجالانا ہے کہ اس نے انسانوں کو جانور اور مویشی عنایت کیے ہیں۔ اس میں قربانی اور حج کے جانور کو ذبح کرتے وقت تکبیر وتسمیہ پڑھنا بھی داخل ہے اور اس کے علاوہ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں تسبیح وتہلیل اور تکبیرات کہنا بھی شامل ہے۔ اللہ کے ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ صرف جانور ذبح کرتے وقت ہی بسم اللہ پڑھی جائے' کیونکہ جانور ذبح کرنے کا وقت تو عید کے دن ہی شروع ہوتا ہے۔(۸)

تکبیر کے الفاظ:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

''اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے اور تمام تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے''۔

سبل السلام میں ہے:

''شریعت میں بہت سے اذکار اور اچھے اچھے کلمات مختلف ائمہ سے منقول ہیں جو اس حکم میں وسعت پیدا کرتے ہیں کہ اللہ کی بڑائی اور کبریائی بیان کرنے کے لیے کوئی سے الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں اور آیت مذکور کا بھی یہی تقاضا ہے''۔(۹)

(۳) حج اور عمرہ کی ادائیگی

سب سے افضل عمل جو اِن دس دنوں میں سرانجام دیا جاتا ہے' وہ بیت اللہ کا حج ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی زیارت کی توفیق بخشی ہو اور وہ مسنون طریقے پر مناسکِ

حج ادا کرے تو یقیناً اس کے لیے بے انتہا اجر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ))[۱۰]

''عمرہ دوسرے عمرہ تک کے درمیانی عرصہ کا کفارہ بن جاتا ہے اور حج مبرور کی جزا تو جنت ہی ہے۔''

(۴) زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنا

اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ اِن دس دنوں میں نیک اعمال اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہیں، ہر عمل بہت افضل ہو جاتا ہے' اللہ کے ہاں اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا جس شخص میں حج کرنے کی طاقت نہ ہو تو اسے چاہیے کہ یہ فضیلت والے ایام اللہ کی اطاعت میں گزارے۔ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل ادا کرے' قرآن کریم کی تلاوت' ذکر و اذکار' دعا' صدقہ و خیرات' والدین کے ساتھ بھلائی' صلہ رحمی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے کام کرے' نیز نیکی اور اطاعت کے راستے اختیار کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى الْغَدَاةَ فِيْ جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ؟)) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((تَامَّةٍ، تَامَّةٍ، تَامَّةٍ))[۱۱]

''جس نے نمازِ فجر باجماعت ادا کی' پھر سورج کے طلوع ہونے تک بیٹھا ذکر الٰہی میں مشغول رہا' اس کے بعد دو رکعات ادا کیں تو ان کا اجر ایک حج اور ایک عمرے جیسا ہے''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ساتھ یہ بھی فرمایا: ''مکمل حج اور عمرے جتنا' مکمل حج اور عمرے جتنا' مکمل حج اور عمرے جتنا۔''

(۵) قربانی کرنا

ان دس دنوں کے نیک اعمال میں سے ایک جانوروں کی قربانی کرنا اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کر کے اس کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ط﴾ (الحج:٣٤)

''اور ہم نے ہر ایک اُمت کے لیے قربانی کا طریق مقرر کر دیا ہے' تا کہ جو مویشی چوپائے اللہ نے ان کو دیے ہیں (ان کو ذبح کرنے کے وقت) ان پر اللہ کا نام لیں''۔

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ آگاہ فرمارہے ہیں کہ اللہ کے نام پر جانوروں کو ذبح کرنا اور خون بہانا ہمیشہ سے تمام مذاہب وملل میں مشروع رہا ہے''۔(۱۲)

قربانی کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت اور مسلمانوں کا عمل ہے۔ ذبح کرنا اور خون بہانا ایک ایسی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کے دین کے شعائر کے اظہار پر مشتمل ہے' لہٰذا قربانی کی قیمت صدقہ کرنے کی بجائے قربانی ہی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۝۲﴾ (الکوثر)

''تو اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو''۔

(٦) سچی توبہ کرنا

ان دس دنوں میں مزید جس عمل کی طرف زیادہ توجہ اور رغبت کرنی چاہیے وہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف متوجہ ہوا جائے' گناہوں کی معافی مانگی جائے' توبہ واستغفار کیا جائے' تمام معاصی اور ہر قسم کے جرائم سے چھٹکارا حاصل کیا جائے' نیز انسانوں پر مظالم اور حقوق العباد کی تلافی سے نجات حاصل کی جائے۔

خالص اور سچی توبہ کا مطلب ظاہراً اور باطناً ان تمام گناہوں کو چھوڑ کر اللہ کی جانب رجوع کرنا ہے جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے' نیز ظاہراً اور باطناً ان کاموں کی طرف آنا ہے جنہیں وہ پسند کرتا ہے' سابقہ برے کاموں پر نادم اور پشیمان ہونا اور انہیں فوراً چھوڑنے اور دوبارہ نہ کرنے کا عزمِ مصمم کرنا ہے۔

مسلمان کا فرض ہے کہ جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرے' کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ وہ کس لمحہ موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔ اسی طرح ایک گناہ مزید گناہوں کا سبب بنتا ہے اور پھر یہ گناہ اور نافرمانیاں لعنت و پھٹکار اور اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنتی

ہیں‘ جبکہ فرماں برداریاں رحمت و برکت اور قربت و محبت کا سبب بنتی ہیں۔ لہٰذا انسان کے لیے جلیل القدر اوقات میں جلیل القدر اعمال کے ساتھ سچی توبہ جمع ہو جاتی ہے تو یہ اِن شاء اللہ کامیابی اور کامرانی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ۝﴾

(القصص)

’’لیکن جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو اُمید ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں ہو‘‘۔

فضیلت کے اسباب

ذوالحجہ کے ابتدائی عشرے کی فضیلت کے بہت سے اسباب ہیں۔ چند ایک حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان ایام کی قسم اٹھائی ہے اور کسی چیز کی قسم اٹھانا اس کی اہمیت اور عظمت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالْفَجْرِ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۝﴾ (الفجر)

’’فجر کی قسم اور دس راتوں کی۔‘‘

ابن عباس‘ ابن زبیر رضی اللہ عنہما‘ مجاہد اور سلف و خلف کے بہت سے اہل علم نے کہا ہے کہ:

اِنَّھَا عَشْرُ ذِی الْحَجَّةِ ’’ان سے مراد ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں‘‘۔

امام ابن کثیرؒ کہتے ہیں: وَھُوَ الصَّحِیْحُ ’’یہی بات درست ہے‘‘۔

امام شوکانیؒ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو جمہور مفسرین کی جانب منسوب کیا ہے۔

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے کہ یہ ایام دنیا کے افضل ترین ایام ہیں‘ جیسا کہ احادیث گزر چکی ہیں۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ایام میں وقت اور جگہ کے شرف کی وجہ سے لوگوں کو ان ایام میں نیک عمل کرنے کی ترغیب دی ہے اور بیت اللہ حجاج کرام کے لیے مخصوص ہے۔

(۴) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دنوں میں کثرت سے تسبیح‘ تحمید‘ تہلیل اور تکبیر کہنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ اَيَّامٍ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَلَا اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنَ الْعَمَلِ فِيْهِنَّ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ فَاَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّحْمِيْدِ))(۱۳)

’’ان دس دنوں کے مقابلے میں دوسرے کوئی ایام ایسے نہیں جن میں نیک عمل اللہ کے ہاں زیادہ درجے والا اور زیادہ محبوب ہو‘ لہٰذا ان دنوں میں کثرت سے تہلیل و تکبیر اور تحمید کیا کرو۔‘‘

(۵) ان ایام میں یومِ عرفہ اور قربانی کا دن آتا ہے۔

(۶) ان دنوں میں فریضۂ حج کی ادائیگی اور بے شمار جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

’’معلوم ہوتا ہے کہ ان دس دنوں کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ ان ایام میں تمام اصل عبادات مثلاً نماز‘ روزہ‘ صدقہ اور حج وغیرہ جمع ہو جاتی ہیں جو اِن دنوں کے علاوہ دنوں میں جمع نہیں ہوتیں‘‘۔

حواشی

(۱) سنن الدارمی‘ ج ۱‘ ص ۲۵۷۔ سند حسن ہے۔ ملاحظہ ہو ارواء الغلیل‘ ج ۳‘ ص ۳۹۸۔

(۲) سنن الدارمی‘ کتاب الصوم‘ باب فی فضل العمل فی العشر۔ تحقیق احمد شاکر۔ سند صحیح ہے۔ شیخ ناصر الدین البانیؒ نے ارواء الغلیل‘ ج ۳‘ ص ۳۹۶ میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۳) تفسیر ابن کثیر‘ ج ۵‘ ص ۴۱۲۔

(۴) صحیح البخاری‘ کتاب الصوم‘ باب ھل یقول انی صائم اذا شتم ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الصیام‘ باب فضل الصیام۔

(۵) مسند احمد ۔و سنن النسائی‘ کتاب الصیام‘ باب ذکر الاختلاف علی محمد بن ابی یعقوب فی حدیث۔ سند صحیح ہے۔

(۶) صحیح مسلم‘ کتاب الصیام‘ باب استحباب صیام ثلاثة ایام من کل شھر وصوم یوم عرفة......

(۷) رواہ البخاری تعلیقًا بصیغة الجزم۔ ملاحظہ ہو فتح الباری‘ ج ۲‘ ص ۴۵۷۔

(۸) تفسیر ابن عباس‘ ڈاکٹر عبد العزیز الحمیدی‘ ج ۲‘ ص ۶۴۶۔ نیز ملاحظہ ہو مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام‘ ج ۲۴‘ ص ۲۲۵۔

(۹) سبل السلام‘ ج ۲‘ ص ۱۲۵۔

(۱۰) صحیح البخاری‘ کتاب الحج‘ باب وجوب العمرة وفضلھا۔

(۱۱) جامع الترمذی‘ کتاب الجمعة عن رسول اللہ ﷺ باب ذکر ما یستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلاة۔ حدیث حسن ہے۔

(۱۲) احکام الاضحیة‘ ص ۱۴۔ ومجموع الفتاویٰ‘ ج ۲۶‘ ص ۳۰۴۔

(۱۳) مسند احمد‘ ج ۷‘ ص ۲۳۴ و ج ۹‘ ص ۱۴۔ تحقیق احمد شاکر۔ سند صحیح ہے۔

1

اسلام میں تجدّد پسندی کے اثرات (۳)

اربابِ ''علم و تحقیق'' کے کچھ مزید تفرّدات وشذوذات

حافظ طاہر اسلام عسکری

ماہنامہ میثاق کے اکتوبر اور نومبر ۲۰۰۶ء کے شماروں میں راقم کا ایک مضمون ''اسلام میں تجدّد پسندی کے اثرات'' کے عنوان سے شائع ہوا' جس کے بعد متعدد احباب نے توجہ دلائی کہ ''حلقۂ اشراق'' کے کچھ مزید انحرافات کی نشاندہی ہونی چاہیے تاکہ عوام الناس کے سامنے اصل حقیقت واضح ہو سکے۔ چنانچہ احقاقِ حق اور اصلاحِ احوال کے جذبے کے پیش نظر ادارہ علم و تحقیق ''المورد'' کے متعلقین کے کچھ مزید شذوذات سطورِ ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ (مضمون نگار)

۱) عورت کے لیے دوپٹہ اوڑھنا شرعی حکم نہیں

اسلام دینِ عفت و عصمت ہے اور اس نے خواتین کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے بطورِ خاص ہدایات دی ہیں۔ گھر میں' گھر سے باہر' محارم کے سامنے اور غیر محرم کے سامنے ایک مسلم خاتون کو کہاں تک اظہارِ زینت کی اجازت ہے' ان تمام امور کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اسلامی قانونِ معاشرت کی رو سے انتہائی قریبی اعزّہ کے علاوہ ایک مسلمان خاتون کے لیے اخفاءِ زینت کی کم از کم حد یہ ہے کہ اس کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ پورا جسم مستور رہے۔ ظاہر ہے اس میں سر پر دوپٹہ اوڑھنا از خود شامل ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کے دلائل اس قدر واضح اور قطعی ہیں کہ تاریخ اسلامی کی چودہ صدیوں تک مسلمان اس مسئلہ میں کسی بھی اختلاف سے ناآشنا رہے اور اہل علم کے مابین اس پر کامل اتفاق رہا۔ چنانچہ اندلس کے مشہور فقیہہ اور محدث امام ابومحمد علی بن حزم الظاہریؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''مراتب الاجماع'' میں لکھتے ہیں:

واتفقوا علی ان شعر الحرة وجسمها حاشا وجهها ویدها عورة[۱]

''اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ آزاد عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ تمام جسم اور بال ستر ہیں''۔

ملت اسلامیہ کے اس متفقہ موقف کے برعکس ''ادارہ المورد'' کے سربراہ جناب جاوید احمد غامدی کے نزدیک دوپٹے کا مسئلہ سرے سے شرعی ہی نہیں۔ چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ ''دوپٹے کا شرعی حکم کیا ہے؟'' جناب غامدی فرماتے ہیں:

''دوپٹا ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے' اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے' اس کا کوئی جواز نہیں''۔[۲]

دوپٹہ کے شرعی حکم ہونے کے تفصیلی دلائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہماری گزارش صرف اتنی ہے کہ اس مسئلے پر اجماع ہے اور اجماع اسی مسئلے پر ہوتا ہے جو شرعی ہو۔ اصولِ فقہ کی مشہور ومعروف اور متداول کتاب ''**الوجیز فی اصول الفقه**'' کے مصنف ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے علامہ آمدیؒ کے حوالے سے اجماع کی درج ذیل تعریف نقل کی ہے:

الاجماع هو اتفاق المجتهدين من الامة الاسلامية فی عصر من العصور' علی حکم شرعی بعد وفاة النبی ﷺ[۳]

''اجماع سے مراد نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کسی خاص دَور میں اُمت اسلامیہ کے تمام مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ مسئلہ پر اجماع اس کے شرعی حکم ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا مسلمان خواتین کے لیے دوپٹہ اوڑھنا ایک شرعی مسئلہ ہے' جس کا دین نے حکم دیا ہے' نہ کہ محض ایک تہذیبی شعار' جیسا کہ جناب جاوید احمد غامدی ارشاد فرما رہے ہیں۔

۲)سؤر کی کھال اور دیگر اجزاء کی تجارت جائز ہے

بنی نوعِ انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک کامیاب زندگی بسر کرنے کے لیے وحی پر مبنی جو ضابطۂ حیات عطا کیا گیا ہے اس کی نمایاں ترین خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں طہارت و پاکیزگی کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں جہاں کفر وشرک جیسی باطنی نجاستوں اور آلائشوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے' وہیں ظاہری گندگی سے اپنے جسم ولباس اور دیگر اشیاء کو محفوظ رکھنے کی تلقین بھی جابجا موجود ہے۔ گویا

شریعتِ مطہرہ چاہتی ہے کہ انسانوں کے عقائد و افکار اور کسب و عمل کے ساتھ ساتھ ان کے ظاہر کو بھی مزکیٰ و مصفیٰ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں جن اشیاء کو ان کی نجاست و غلاظت کی بنا پر حرام قرار دیا ہے ان میں خنزیر بھی شامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ ......﴾(المائدۃ:۳)

''تم پر حرام کر دیا گیا ہے مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت ......''۔

یہاں اگرچہ سؤر کے گوشت کی حرمت کا ذکر ہے لیکن دیگر شرعی دلائل کی روشنی میں اُمت مسلمہ کا یہ متفقہ نقطۂ نظر ہے کہ خنزیر کی خرید و فروخت بھی قطعاً ممنوع اور حرام ہے۔ چنانچہ ''موسوعۃ الاجماع'' میں ''بیع الخنزیر'' کے تحت لکھا ہے:

أجمع المسلمون على تحريم بيع الخنزير بجميع اجزائه وشرائه' ورخص بعض العلماء بقليل من شعره للخرزِ (٤)

''مسلمانوں کا خنزیر کے تمام اجزاء کی خرید و فروخت کے حرام ہونے پر اجماع ہے' اور بعض علماء نے سور کے تھوڑے سے بالوں کی پیوند وغیرہ لگانے کے لیے رخصت دی ہے''۔

یہاں یہ امر قارئین کے لیے باعث تعجب ہو گا کہ مسلمانوں کے اس اجماعی موقف سے ''اہل اشراق'' کو اتفاق نہیں اور وہ تفرّد کی راہ اپناتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ سؤر کی کھال اور دیگر اجزاء کی تجارت جائز اور درست ہے۔ چنانچہ ماہنامہ ''اشراق'' کے اکتوبر ۱۹۹۸ء کے شمارے میں کسی سائل کا ایک سوال شائع ہوا کہ ''کیا اسلام کی رو سے سور کی کھال کی تجارت جائز ہے؟'' اس کا درج ذیل جواب دیا گیا:

''اُن علاقوں میں جہاں سور کا گوشت بطورِ خوراک استعمال نہیں کیا جاتا' وہاں اس کی کھال اور دوسرے جسمانی اجزاء کو تجارت اور دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا''۔ (٥)

''اہل اشراق'' نے سور کی کھال وغیرہ کی تجارت کے ناجائز ہونے کی اصل علت اس امر کو قرار دیا ہے کہ اس سے سور کے گوشت کھانے کے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں' لہٰذا جہاں یہ مواقع نہ ہوں وہاں حرمت باقی نہیں رہتی۔ جبکہ پوری اُمت کے علماء و فقہاء کے نزدیک یہ

علی الاطلاق حرام ہے اور اس خود ساختہ علت کا انہوں نے کوئی اعتبار نہیں کیا' کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ملحوظِ نظر رہے کہ اوپر ''موسوعۃ الاجماع'' کے حوالے سے جو اقتباس نقل کیا گیا ہے اس میں بعض علماء کا سلائی کے لیے سور کے قلیل بالوں کے استعمال کی رخصت دینا اس کی خرید وفروخت یا اس سے انتفاع کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا' کیونکہ:

اوّلاً تو یہ شاذ ہے' جیسا کہ ''موسوعۃ الاجماع'' میں محولہ بالا صفحہ پر ''**الانتفاع بشعر الخنزیر**'' کے زیرعنوان عبارتِ ذیل بھی موجود ہے:

صح ان المسلمین اجمعوا علی تحریم الانتفاع بشعر الخنزیر لا لخرز ولا فی غیرہ

''صحیح بات یہ ہے کہ خنزیر کے بالوں سے انتفاع کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے خواہ سلائی کے لیے ہو یا اس کے علاوہ''۔

ثانیاً اس کو ''بصورتِ تسلیم'' حالت اضطرار پر محمول کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اضطراری حالت میں تو خنزیر کا گوشت کھانا بھی از روئے قرآن جائز ہے۔

یہ بات بہرحال بالکل واضح ہے کہ علی الاطلاق سور کے اجزاء کی خرید وفروخت کسی بھی فقیہہ یا عالم کے نزدیک جائز نہیں اور اہل اشراق اس مسئلہ میں بھی پوری اُمت کے بالمقابل ایک شاذ رائے اپنائے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے یہ امر بھی ناقابل فہم ہے کہ اس قدر نجس اور غلیظ شے کو (جس کے ہر جزو کی نجاست پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے)[٦] نجانے کیوں تجارت کے لیے جائز قرار دیا جا رہا ہے' جسے ایک سلیم الفطرت انسان کسی طور بھی گوارا نہیں کرسکتا۔

۳) مرد اور عورت کا اکٹھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

ادارہ ''المورد'' کے سکالرز کی شاذ و نادر تشریحات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک مرد اور عورت کا اکٹھے کھڑے ہو کر باجماعت نماز ادا کرنا جائز اور درست ہے۔ ایک سوال کے جواب میں ''ارباب المورد'' کا اس سلسلے میں نقطۂ نظر ان الفاظ میں سامنے آیا:

''مرد و عورت برابر کھڑے ہو کر باجماعت یا انفرادی' دونوں طرح سے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا......الخ''

اب یہاں دیکھئے کہ اس امر کی کوئی دلیل نہیں دی گئی کہ قرآن یا سنت میں اس کا جواز کہاں بیان ہوا ہے۔ اس کے برعکس احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں اس حوالے سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ باجماعت نماز کی صورت میں عورتیں الگ صف میں کھڑی ہوں گی۔ چنانچہ عہدِ رسالتؐ میں مسجد نبویؐ میں صفوں کی ترتیب کچھ اس طرح ہوتی تھی کہ پہلے مَردوں کی صفیں ہوتیں' اس کے بعد بچے صف بناتے اور بالکل آخر میں خواتین کھڑی ہوتی تھیں۔[۷]

علاوہ ازیں فقہائے کرام نے بھی صراحت کی ہے کہ عورت مرد کے ساتھ کھڑی ہونے کی بجائے اس کے پیچھے کھڑی ہوگی۔

فقہ اسلامی کی مشہور و معتبر کتاب ''المغنی'' کے مصنف امام ابو محمد عبداللہ بن احمد المعروف با بن القدامہ لکھتے ہیں:

وان صلت خلف رجل قامت خلفه لقول النبی ﷺ : ((أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ)) وان کان معهما رجل قام عن یمین الامام والمرأة خلفهما. کما روی انس ان رسول الله ﷺ صلّٰی به وباُمِّه او خالته' فاقامنی عن یمینه واقام المرأة خلفنا. رواه مسلم. [۸]

''اگر عورت کسی مرد کی اقتدا میں نماز ادا کرے تو وہ اس کے پیچھے کھڑی ہوگی' کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''تم خواتین کو پیچھے رکھو جیسا کہ اللہ نے انہیں مؤخر رکھا ہے۔'' اور اگر ان دونوں (یعنی مرد و عورت) کے ساتھ کوئی اور آدمی بھی ہو تو وہ امام کے ساتھ کھڑا ہوگا اور خاتون ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگی۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں (انسؓ کو) اور ان کی والدہ یا خالہ کو نماز پڑھائی تو مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے۔''

اس سے واضح ہوا کہ عورت مَردوں کے ساتھ کھڑی نہیں ہوگی بلکہ ان سے الگ صف میں نماز ادا کرے گی۔ امام ابنِ رشد لکھتے ہیں:

ولا خلاف فی ان المرأة الواحدة تصلی خلف الامام[۹]

''اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اکیلی عورت امام کے پیچھے کھڑی ہو کر ہی نماز پڑھے گی''۔

''اہل اشراق'' کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اکٹھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ احادیث میں صراحت ہے کہ مَردوں کی بہترین صف پہلی

اور ناپسندیدہ صف آخری ہے' جبکہ عورتوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کی توجیہہ اہل علم نے یہی کی ہے کہ مردوں کی پہلی صف اور عورتوں کی آخری صف میں چونکہ فاصلہ زیادہ اور باہمی قرب کم ہوتا ہے اس لیے یہ افضل ہیں' جبکہ عورتوں کی پہلی اور مردوں کی آخری صف میں قرب ہونے کی بنا پر یہ ناپسندیدہ ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس سے اجر میں کمی ہوتی ہے جو ایک نقص ہے۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ مسئلہ میں بھی اُمت ایک نقطے پر متفق ہے کہ عورت مردوں سے علیحدہ کھڑی ہو کر نماز پڑھے گی۔ لیکن ''اہل المورد'' کو یہاں بھی اُمت سے اتفاق نہیں اور وہ شوقِ اجتہاد میں راہِ اعتزال پر گامزن ہیں۔

(۴) مجسمہ سازی کا جواز

شریعت اسلامیہ کی تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں' بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ فطرتِ سلیمہ دراصل دین کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلاَّ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ......))(۱۰)

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں''۔

غور طلب نکتہ یہ ہے کہ یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ "اَوْ یُسَلِّمَانِهٖ" (یا اسے مسلمان بنا دیتے ہیں) کیونکہ وہ فطرت دراصل اسلام ہی ہے جس پر اس کی پیدائش ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام انسان کے فطری جذبات و خواہشات پر قدغن عائد کرنے کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے' لیکن اس ضمن میں وہ افرادِ معاشرہ کو کچھ حدود و قیود کا پابند کرتا ہے جس کا مقصد انہیں متوازن کرنا ہوتا ہے' کیونکہ اعتدال و توازن کو نظر انداز کرنے سے معاملات میں بگاڑ و فساد جنم لیتا ہے۔

مثال کے طور پر ہر انسان میں جنسی تسکین کا جذبہ موجود ہے' اسلام اسے کچلنے کی بجائے نکاح کی صورت میں اس کا بہترین طریقہ تجویز کرتا ہے۔ غور کیا جائے تو یہی اس کا حقیقی حل ہے۔ اسے کچلنے کی صورت میں اگر رہبانیت کی خرابیاں وجود میں آتی ہیں تو اسے کھلی چھوٹ دینے سے معاشرے میں جنسی بے راہ روی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ مغربی ممالک میں ایسے

لاتعداد بچے جن کی ولدیت کا خانہ خالی ہوتا ہے' اسی جنسی آزادی کا نتیجہ ہیں۔

المختصر اسلام انسان کے فطری جذبات و داعیات کو یکسر ختم نہیں کرتا' بلکہ انہیں صحیح اور درست راستے کی طرف موڑتا ہے۔

انسان جن اشیاء کی طرف طبعی طور پر میلان رکھتا ہے ان میں فنونِ لطیفہ بھی شامل ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں مصوری کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔ دیگر معاملات کی طرح اسے بھی شرع نے مطلقاً ممنوع قرار نہیں دیا' بلکہ مشروط طور پر اس کی اجازت دی ہے۔ یعنی جاندار اشیاء کے علاوہ دیگر چیزوں کی تصویر کشی کو مباح قرار دیا گیا ہے' لیکن ذی روح اشیاء کی تصاویر اور خصوصاً تمثیل (مجسمہ) بنانے سے منع کر دیا گیا ہے۔ بے شمار شرعی احکام کی طرح اس مسئلے پر بھی اُمت کا اجماع ہے۔ موسوعۃ الاجماع میں **ما یحرم تصویرہ** (کس شے کی تصویر حرام ہے؟) کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

> **ان تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم' وھو من الکبائر ' سواء کان التصویر فی الثوب' او دینار' او جدار' او غیر ذلک ' وھذا ھو قول العلماء**[11]
>
> ''بلاشبہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ یہ تصویر خواہ کپڑے میں ہو' یا دینار پر ہو' یا دیوار پر ہو' یا اس کے علاوہ کہیں ہو (ہر صورت میں حرام ہے)۔ یہی اہل علم کا قول ہے''۔

اسی کتاب کے اگلے صفحہ پر ''**حکم صنع التماثیل**'' (مجسمہ سازی کا حکم) کے زیرعنوان درج ذیل الفاظ بھی موجود ہیں:

> **ان الاجماع علی ان الصور ان کانت ذات اجسام (تماثیل) حرام یجب تغییرھا ' سواء کانت مما یمتھن ام لا' وقال بعض السلف بالرخصۃ فی اللعب لصغار البنات**
>
> ''اس بات پر اجماع ہے کہ اگر تصاویر جسم رکھتی ہوں (یعنی مجسمے) تو وہ حرام ہیں جن کو تبدیل کرنا واجب ہے' چاہے انہیں حقیر سمجھا جائے یا نہ سمجھا جائے۔ البتہ بعض سلف نے چھوٹی بچیوں کے کھیل میں ان کی رخصت دی ہے''۔

اُمت کے اس اجماعی نقطۂ نظر سے آگاہی کے بعد ہم قارئین کرام کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ادارۂ علم و تحقیق ''المورد'' کے سکالرز یہاں بھی اجماع کے

انکاری ہیں اور تصاویر و تماثیل جیسی حرام و ناجائز چیز کو مباح اور جائز قرار دے رہے ہیں۔
''المورد'' کے ریسرچ سکالر جناب محمد رفیع مفتی اپنی کتاب ''تصویر کا مسئلہ'' میں ''تصویر کے حوالے سے دین کا موقف'' کی سرخی جما کر لکھتے ہیں:

> ''تصویر کے بارے میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویؐ کی رہنمائی سے یہ بات تو کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ مذہب کا تصویر وتمثال پر اعتراض صرف اور صرف کسی دینی اور اخلاقی خرابی ہی کی بنا پر ہے' ورنہ اسے ان چیزوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہنا''۔ (۱۲)

مزید لکھتے ہیں:

> ''لیکن فی نفسہٖ تصاویر کے بارے میں کسی اعتراض کی کیونکر گنجائش ہو سکتی ہے' جبکہ خدا اور اس کے رسول نے انہیں جائز رکھا ہو؟'' (۱۳)

جناب محمد رفیع صاحب کے پیش کردہ دلائل کے تفصیلی تحلیل و تجزیہ کی بجائے' کہ اس کا یہ محل نہیں' سردست ہم اتنا عرض کیے دیتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث کی یہ نصوص چودہ صدیوں سے اُمت کے اہل علم کے سامنے رہی ہیں تو آخر کیوں انہوں نے تصاویر و تماثیل کی حرمت کا موقف اختیار کیا اور اس سلسلے میں ان کے مابین کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہوا؟ یہ نکتہ بہرحال توجہ طلب ہے۔

(۵) خاتون کا نکاح پڑھانا

دین اسلام میں ہر اعتبار سے خواتین کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے اور انہیں وہ مقام و مرتبہ عطا کیا گیا ہے جس کی فی الواقع وہ مستحق ہیں۔ ان کو مردوں کے مقابلے میں کمتر اور گھٹیا قرار دینے کی بجائے (جیسا کہ اسلام سے قبل اور آج بھی بعض مذاہب میں سمجھا جاتا ہے) اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرة:۲۲۸)

''عورتوں کے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مَردوں کے ہیں۔''

اسی طرح قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ عورت کو بھی اس کے نیک اعمال کا وہی اجر ملے گا جو مرد کو ملتا ہے اور محض صنفِ نازک سے تعلق رکھنے کی بنا پر اس میں کمی نہیں ہو گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً

طَيِّبَةً ۚ ﴾(النحل:۹۷)

''جو کوئی بھی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت' لیکن باایمان ہو' تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے۔''

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح مَرد وعورت کی تخلیق کے اعتبار سے دونوں میں کئی طرح کے فرق موجود ہیں جس کی بنا پر عملی زندگی میں ان کا رول مختلف ہے' اسی طرح بعض شرعی احکام میں بھی ان کے لیے الگ الگ ہدایات دی گئی ہیں۔ اسی قسم کے مسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی خاتون شرعی نقطۂ نظر سے ولیٔ نکاح نہیں بن سکتی' یعنی نکاح میں ولی بننے کے لیے مرد ہونا ضروری ہے۔ اور یہ شرط کوئی اختلافی نہیں' بلکہ اسے ملت اسلامیہ کے تمام اہل علم کی تائید حاصل ہے۔ امام ابن رشدؒ اپنی کتاب ''**بداية المجتهد**'' میں لکھتے ہیں:

واما النظر فی الصفات الموجبة للولاية والسالبة لها ' فانهم اتفقوا علی ان من شرط الولاية الاسلام والبلوغ والذكورية...... الخ (۱۴)

''ولایت کو واجب یا سلب کرنے والی صفات کے سلسلے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ولایت کی صحت کے لیے تین شرطیں ہیں: (۱) مسلمان ہونا (۲) بالغ ہونا اور (۳) مذکر ہونا''۔

اور ''**المغنی**'' میں ہے:

الذكورية شرط للولاية فی قول الجميع ...... الخ (۱۵)

''ولایت کے لیے مرد ہونا تمام علماء کے قول کے مطابق شرط ہے''۔

فقہاء کی مندرجہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ عورت ولایت نکاح کی اہل نہیں اور یہ اہل علم کا متفقہ موقف ہے۔ یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ جو ولی نہ بن سکے وہ ولی کی وکالت (نیابت) بھی نہیں کرسکتا۔ امام ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

ومن لم تثبت له الولاية لم يصح توكيله لان وكيله نائب عنه وقائم مقامه (۱۶)

''جس کے لیے ولایت ثابت نہ ہوا سے وکیل بنانا صحیح نہیں' کیونکہ ولی کا وکیل اس کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے''۔

جب عورت نہ ولی بن سکتی ہے اور نہ ولی کی وکالت کرسکتی ہے تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ نکاح نہیں پڑھا سکتی ہے' کیونکہ نکاح میں دراصل ایجاب ہوتا ہے جو ولی یا اس کا

وکیل ہی کرسکتا ہے اور عورت ان دونوں (ولایت اور وکالت) کی اہل نہیں۔

چودہ صدیوں سے اہل اسلام اسی اجماعی و متفقہ رائے کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں اور ان کی یہ روایت مسلّمہ حیثیت رکھتی ہے کہ نکاح پڑھانے کا عمل مرد حضرات ہی سرانجام دیتے ہیں، لیکن اُمت کے اس اجماعی موقف اور اجتماعی تعامل کے برعکس ''ارباب المورد'' کی رائے یہ ہے کہ عورت بھی نکاح پڑھانے کا استحقاق رکھتی ہے۔ چنانچہ جناب جاوید احمد غامدی سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی عورت نکاح پڑھا سکتی ہے؟ تو غامدی صاحب نے جواب دیا:

''جی ہاں بالکل پڑھا سکتی ہے......الخ''(۱۷)

لیکن افسوس ہے کہ اس کی کوئی دلیل انہوں نے پیش نہیں فرمائی۔

ہمارے خیال میں جناب جاوید احمد غامدی کو اس کے بارے میں شرعی دلائل کے حوالے سے جواب دینا چاہیے تھا جسے انہوں نے نظر انداز کر دیا، جو اہل علم کے اسلوب سے، بہرحال، مطابقت نہیں رکھتا۔

''اہلِ المورد'' کی بنیادی غلطی

ہمارے تجزیے کے مطابق ''اہل المورد'' کے ان تمام تفردات وشذوذات کا بنیادی سبب (دیگر وجوہات کے علاوہ) یہ ہے کہ انہوں نے اجماع کی اہمیت اور مسلّمہ حیثیت کو نظر انداز کر دیا ہے جس کی بنا پر وہ اُمت مسلمہ کے اجتماعی دھارے سے الگ تھلگ نظر آتے ہیں۔ یہ ایک غیر مناسب رجحان ہے اور مطالعۂ شریعت کے اُس طریقے کے منافی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحینؒ نے اُمت کے سامنے پیش کیا۔

ایک عالم کسی استفسار کے جواب میں کیا رویہ اپنائے، اس کے بارے میں عظیم صحابیٔ رسولؐ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہر مجیب و مفتی کے پیش نظر رہنا چاہیے:

اذا سُئِل احدکم فلینظر فی کتاب اللّٰہ ، فان لم یجد ففی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فان لم یجد فلینظر فیما اجتمع علیه المسلمون ، والا فلیجتهد...... (۱۸)

''جب تم میں سے کسی سے کوئی سوال کیا جائے تو اسے چاہیے کہ قرآن مجید سے اس کا حل تلاش کرے، اگر وہاں نہ پائے تو سنت رسولؐ میں دیکھے، اگر وہاں بھی نہ ملے تو پھر ان مسائل کو دیکھے جن پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، اور اگر یہاں بھی اس کا حل میسر نہ ہو تو

پھر اجتہاد کرے......''۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مطالعۂ شریعت اور افتاء واجتہاد کا یہی وہ اسلوب ہے جو ہمیشہ سے علماء وفقہاء کے پیش نظر رہا ہے' لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ ''اہل اشراق'' کے ہاں یہ اسلوب نظر نہیں آتا۔ جناب جاوید احمد غامدی اور ان کے تلامذہ کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں جا بجا یہ جملے ملتے ہیں کہ: ''......اس مسئلہ میں تمام فقہاء کی بالاتفاق یہی رائے ہے' لیکن ہمارا خیال ہے کہ......'' اور ''ہمارے علماء کا نقطۂ نظر یہی ہے مگر ہمارا موقف یہ ہے کہ......'' جبکہ درست رویہ یہ ہے کہ اہل علم کی متفقہ رائے کے بالمقابل کوئی نیا نقطۂ نظر پیش کرنے کی بجائے ان کے دلائل پر غور وفکر کیا جائے اور گہرائی میں اتر کر اس کی معنویت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔اس سے یقیناً صحیح نتیجے تک رسائی ہو جاتی ہے اور انسان شذوذ وتفرد سے محفوظ رہتا ہے۔

یہاں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم فقہاء کی کورانہ تقلید کی دعوت دے رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک تجدید واجتہاد اور تحقیق واکتشاف وقت کی اہم ترین ضرورت ہیں' لیکن استدعا صرف یہ ہے کہ بحث ونظر کا دائرۂ کار اجماعی واتفاقی مسائل کی بجائے وہ امور ہونے چاہئیں جو واقعتاً حل طلب ہیں۔ اُمت کے مابین ہمیشہ سے طے شدہ امور میں اجتہاد کا نتیجہ سوائے انتشار وافتراق کے کچھ نہیں جو اُمت کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔

آخر میں ادارہ ''المورد'' کے جملہ وابستگان سے یہ اپیل ہے کہ اللہ کے عطا کردہ علم وتفقہ اور فہم وبصیرت کو صحیح استعمال کر کے اپنے اور اُمت مسلمہ کے حق میں نافع بنایئے! بصورتِ دیگر یہی علم وبصیرت ضلالت کا باعث بھی بن جایا کرتا ہے: ﴿وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾۔ ہمیں بجا طور پر یہ توقع ہے کہ سطورِ بالا کو اصلاح ونصیحت کے جذبے کے حوالے سے دیکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم وعمل کی آزمائش سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ **وفقنا اللّٰہ لما یحبه ویرضیه!**

حواشی

١) ابن حزم: مراتب الاجماع' ص ٥٣۔

٢) ماهنامه اشراق' شماره مئی ٢٠٠٢ء' ص ٤٧۔

٣) عبد الكريم زيدان: الوجيز فى اصول الفقه' ص ١٧٩۔

٤) سعدى ابوجيب: موسوعة الاجماع' ج١'ص ٣٨٥۔

۵) ماهنامه اشراق، شماره اکتوبر۱۹۹۸ء، ص ۷۹۔
٦) سعدی ابوجیب : موسوعة الاجماع، ج ١، ٣٨٤۔
٧) سنن ابی داوٗد مع عون المعبود، ج٢، ص ٢٦٣، کتاب الصلاة، باب مقام الصبیان من الصف۔
٨) ابن قدامه : المغنی، ج٢، ص ٢٠٣، مکتبة الریاض الحدیثه، الریاض۔
٩) ابن رشد القرطبی: بدایة المجتهد، ج١، ص ١٠٨۔
١٠) متفق علیه بحواله مشکوٰة المصابیح، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، ج١، ص ٣٣ (بتحقیق الالبانی)۔
١١) موسوعة الاجماع، ج٢، ص ٦٦٧، ٦٦٨۔
١٢) محمد رفیع مفتی، تصویر کا مسئله، ص ٣٠۔
١٣) ایضاً، ص ٣١۔
١٤) بدایة المجتهد، ج٢، ص ٩۔
١٥) المغنی، ج٦، ص ٤٦٥۔
١٦) ایضًا، ج٦، ص ٤٦٧۔
١٧) www.ghamidi.org
١٨) موسوعة الاجماع، ج١، ص ٢٣۔

❁❁❁

1

مسلمان کا طرزِ حیات (۵۵)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

"مِنہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العبادات

تیرہواں باب

مسجد نبویؐ اور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت

① مدینہ اور اہل مدینہ کی فضیلت اور مسجد نبویؐ کی فضیلت

(ا) مدینہ طیبہ کی فضیلت

مدینہ مطہرہ جناب رسول اللہ ﷺ کا حرم، آپؐ کا مقامِ ہجرت اور نزولِ وحی کا مقام ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے حرم ہونے کا اعلان فرمایا تھا اسی طرح نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے حرم ہونے کا اعلان فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ حَرَّمَ مَکَّۃَ وَاِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَابَتَیْھَا)) (۱)

"یا اللہ! ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں اس (شہر) کے دونوں حرّوں ـــ پتھریلی زمین کے خطوں ـــ کے درمیان کی تمام جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔"

اس کے علاوہ ارشاد فرمایا:

((اَلْمَدِیْنَۃُ حَرَامٌ مَا بَیْنَ عَائِرَ اِلٰی ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ آوٰی مُحْدِثًا فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ' لَا یُقْبَلُ مِنْہُ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ...... لَا یُخْتَلٰی خَلَاھَا وَلَا یُنَفَّرُ صَیْدُھَا وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُھَا اِلَّا لِمَنْ اَشَادَ بِھَا وَلَا یَصْلُحُ لِرَجُلٍ اَنْ یَحْمِلَ فِیْھَا السَّلَاحَ لِقِتَالٍ وَلَا یَصْلُحُ اَنْ یُقْطَعَ مِنْھَا شَجَرَۃٌ اِلَّا اَنْ یَعْلِفَ رَجُلٌ بَعِیْرَہٗ)) (۲)

''عیر پہاڑ سے ثور پہاڑ تک سارا مدینہ محترم ہے۔ پس جو شخص اس میں کوئی جرم کرے گا یا کسی مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ کی بھی لعنت ہے' فرشتوں کی بھی اور تمام انسانوں کی بھی' اللہ تعالیٰ اس کا کوئی نفل یا فرض عمل قبول نہیں کرے گا...... اس کی گھاس نہ کاٹی جائے' شکار کو نہ بھگایا جائے' گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے' ہاں وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو (گم شدہ چیز اس کے مالک کو پہنچانے کے لیے) اس کا اعلان کرے۔ اور کسی آدمی کے لیے اس شہر میں لڑائی کے لیے ہتھیار اٹھانا درست نہیں اور نہ اس میں کسی درخت کو کاٹنا جائز ہے الّا یہ کہ کوئی شخص اپنے اونٹ کو چارہ ڈالے (اور اس مقصد کے لیے کسی درخت کے پتے وغیرہ جھاڑ لے)۔''

حضرت عدی بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے ہر طرف ایک برید فاصلہ تک کا علاقہ محفوظ قرار دیا ہے۔ اس کے درختوں کے پتے نہ جھاڑے جائیں' نہ کوئی درخت کاٹا جائے' مگر جس سے اونٹ ہانکے جاتے ہیں۔ (۳)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَاْرِزُ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ کَمَا تَاْرِزُ الْحَیَّۃُ اِلٰی جُحْرِھَا' لَا یَصْبِرُ عَلٰی لَاْوَائِھَا وَشِدَّتِھَا اَحَدٌ اِلَّا کُنْتُ لَہٗ شَھِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (٤)

''ایمان مدینہ میں اس طرح سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنی بل میں سمٹ جاتا ہے۔ جو کوئی مدینہ منورہ کی وبا اور سختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔''

اور فرمایا:

((مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یَّمُوْتَ بِالْمَدِیْنَۃِ فَلْیَفْعَلْ فَاِنِّیْ اَشْھَدُ لِمَنْ مَاتَ بِھَا)) (٥)

''جس شخص کے لیے مدینہ میں مرنا ممکن ہو وہ ایسا کرلے' کیونکہ اس میں مرنے والوں کے لیے میں گواہی دوں گا۔''

نیز ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّمَا الْمَدِیْـنَةُ كَالْكِیْرِ تَنْفِیْ خَبَثَهَا وَیَنْصَعُ طَیِّبُهَا))(٦)

''مدینہ بھٹی کی طرح ہے' جو میل کچیل کو نکال دیتی ہے اور پاک (اچھی چیز' سونے چاندی وغیرہ) کو چمکا دیتی ہے۔''

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((اَلْمَدِیْـنَةُ خَیْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ لاَ یَدَعُهَا اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلاَّ اَبْدَلَ اللّٰهُ فِیْهَا مَنْ هُوَ خَیْـرٌ مِنْهُ وَلَا یَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰی لَــأْوَائِهَا وَجَهْدِهَا اِلاَّ كُنْتُ لَـهٗ شَفِیْعًا اَوْ شَهِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) (٧)

''مدینہ ان کے لیے بہتر ہے' کاش انہیں معلوم ہو جائے۔ جو شخص اس شہر سے دلچسپی کی وجہ سے کوئی جگہ چھوڑے گا (اور یہاں آئے گا) تو اللہ تعالیٰ اسے اس میں اُس سے بہتر جگہ عطا کرے گا۔ اور جو کوئی اس کے مرض اور مشقت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی اور گواہ ہو جاؤں گا۔''

(ب) اہل مدینہ کی فضیلت

مدینہ منورہ کے باشندے جناب رسول اللہ ﷺ کے ہمسائے اور آپؐ کی مسجد کو آباد کرنے والے ہیں۔ وہ آپ ﷺ کے شہر میں سکونت پذیر ہیں اور آپؐ کے حرم میں ڈیرے ڈالے بیٹھے ہیں' وہ آپؐ کی حرمت کے محافظ ہیں۔ اگر وہ نیکی پر اور راہِ راست پر قائم رہیں تو اُن کا مقام سب سے بلند اور ان کی قدر و منزلت سب سے عظیم تر ہے۔ ان کا احترام فرض ہے اور ان سے محبت لازم ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو تکلیف پہنچانے پر سخت وعید بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے:

((لَا یَـكِیْدُ اَهْلَ الْمَدِیْـنَةِ اَحَدٌ اِلاَّ انْمَاعَ كَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِی الْمَاءِ))(٨)

''جو کوئی مدینہ والوں کے خلاف کوئی تدبیر کرے گا وہ اس طرح تباہ ہو جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔''

اور فرمایا:

((لَا یُرِیْدُ اَحَدٌ اَهْلَ الْمَدِیْـنَةِ بِسُوْءٍ اِلَّآ اَذَابَهُ اللّٰهُ فِی النَّارِ ذَوْبَ الرَّصَاصِ اَوْ ذَوْبَ الْمِلْحِ فِی الْمَاءِ))[٩]

''جو کوئی اہل مدینہ کو تکلیف پہنچانا چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے (جہنم کی) آگ میں اس طرح پگھلا دے گا جس طرح آگ میں سیسہ پگھل جاتا ہے یا جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔''

جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کی محبت کی وجہ سے اور ان کی عزت افزائی کے لیے ان کے رزق میں برکت کی دعا فرمائی ہے۔ارشاد فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَـهُمْ فِیْ مِکْیَالِهِمْ وَبَارِکْ لَهُمْ فِیْ صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ))[١٠]

''اے اللہ! ان کے (ماپنے کے) پیمانوں میں برکت دے' اور ان کے صاع اور مدّ میں برکت عطا فرما۔''

اور آنحضرت ﷺ نے اُمت کو مجموعی طور پر بھی اہل مدینہ سے حسن سلوک کی نصیحت فرمائی ہے۔ارشاد ہے:

((اَلْمَدِیْنَةُ مُهَاجِرِیْ' فِیْهَا مَضْجَعِیْ وَمِنْهَا مَبْعَثِیْ حَقِیْقٌ عَلٰی اُمَّتِیْ حِفْظُ جِیْرَانِیْ مَا لَمْ یَرْتَـکِبُوا الْـکَبَائِرَ ' وَمَنْ حَفِظَهُمْ کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا وَشَهِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ))[١١]

''مدینہ میری ہجرت گاہ ہے' اس میں میری آرام گاہ (قبر مبارک) ہے اور اسی سے مَیں (قیامت کے دن) اٹھوں گا۔ میری اُمت پر حق ہے کہ میرے پڑوسیوں کا خیال رکھیں' جب تک وہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کریں۔ جو اُن کی نگہداشت کرے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔''

(ج) مسجد نبوی شریف کی فضیلت

مسجد نبویؐ ان تین عظیم مساجد میں سے ہے جن کی عظمت قرآن مجید نے بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَـیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَـهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ (بنی اسراء یل:١)

''وہ (اللہ) پاک ہے جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا جس

کے اردگرد ہم نے برکت رکھ دی ہے' تا کہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں''۔

اس آیت میں ''مسجد اقصیٰ'' سے واضح طور پر مسجد نبویؐ کی طرف اشارہ سمجھ میں آ رہا ہے' کیونکہ ''اقصیٰ'' کا لفظ ''قَاصِی'' سے اسم تفضیل ہے (یعنی بہت دُور والی مسجد)۔ اور جو کوئی مکہ مکرمہ میں ہو اس کے لیے دُور کی مسجد' مسجدِ نبوی ہو سکتی ہے۔ اور بیت المقدس بھی مسجد اقصیٰ (بہت دور والی مسجد) ہے۔ اس لیے دونوں مسجدوں کے ساتھ ضمنی طور پر مسجد نبوی کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ اس آیت میں مسجد نبوی کا ذکر صراحت سے اس لیے نہیں کیا گیا کہ اُس وقت مسجد نبوی ابھی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ [۱۲] مسجد نبویؐ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((صَلَاةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلَاةٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ' وَصَلَاةٌ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ اَلْفِ صَلَاةٍ فِیْمَا سِوَاهُ)) [۱۳]

''میری اس مسجد میں ایک نماز کسی اور مسجد میں (پڑھی ہوئی) ہزار نمازوں سے افضل ہے' سوائے مسجد حرام کے۔ اور مسجد حرام میں (پڑھی ہوئی) ایک نماز کسی اور مسجد میں پڑھی ہوئی ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔''

جن تین مسجدوں کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کر کے جانا جائز ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کو ان میں دوسرے نمبر پر ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

((لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ : اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی)) [۱۴]

''کجاوے نہ کسے جائیں (اہتمام سے سفر کر کے نہ جایا جائے) مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجد حرام' میری مسجد اور مسجد اقصیٰ۔''

اس مسجد کو ایک اور خصوصی شرف حاصل ہے جو کسی اور مسجد کو حاصل نہیں۔ وہ ہے رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ۔ جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ)) [۱۵]

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

ایک حدیث نبویؐ میں یہ الفاظ آتے ہیں:

((مَنْ صَلّٰی فِیْ مَسْجِدِیْ اَرْبَعِیْنَ صَلَاۃً لَا یَفُوْتُہٗ صَلَاۃٌ کُتِبَتْ لَہٗ بَرَاءَ ۃٌ مِنَ النَّارِ وَنَجَاۃٌ مِنَ الْعَذَابِ وَبَرِئَ مِنَ النِّفَاقِ))(۱٦)

''جوشخص میری (اس) مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھے کہ کوئی نماز نہ چھوٹے' اس کے لیے جہنم سے بریت اور عذاب سے نجات لکھ دی جاتی ہے اور وہ نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔''

اس لیے نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبویؐ میں حاضر ہونا ان بڑے بڑے نیک اعمال میں شامل ہے جنہیں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یا اللہ سے کسی اور حاجت کے حصول کے لیے وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔

۲ مسجد نبویؐ کی زیارت

جناب رسول اللہ ﷺ اور جناب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سلام کہنا

چونکہ مسجد نبوی کی زیارت ایک عبادت ہے اس لیے دوسری عبادتوں کی طرح اس کے لیے بھی نیت کی ضرورت ہے' کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ لہٰذا مسلمان جب نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی کی زیارت کرے تو اس کی نیت ''اطاعت اور محبت کے ذریعے قربِ الٰہی کے حصول'' کی ہونی چاہیے۔ جب وہ باوضو ہو کر مسجد نبوی میں پہنچے تو پہلے دایاں پاؤں مسجد میں رکھے جس طرح ہر مسجد میں داخل ہونے کا مسنون طریقہ ہے اور مسجد میں داخل ہونے کی دعا پڑھے:

((بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ))

''بسم اللہ! اور اللہ کے رسول پر درود و سلام ہو۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''۔

پھر اگر ریاض الجنۃ میں آسانی سے جگہ ملے تو وہاں' ورنہ مسجد کے کسی بھی حصہ میں دو رکعت یا جتنی بھی نماز پڑھنے کی توفیق ملے ادا کرے' پھر آنحضرت ﷺ کے حجرۂ مبارک کی طرف جائے' مواجہ شریف کے سامنے کھڑا ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس طرح سلام عرض کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ‘ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ ‘ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَیْرَۃَ خَلْقِ اللّٰہِ ‘ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّـھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ‘ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ‘ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ‘ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَـۃَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَۃَ ‘ وَنَصَحْتَ الْاُمَّۃَ ‘ وَجَاھَدْتَ فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ‘ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَعَلٰی آلِکَ وَاَزْوَاجِکَ وَذُرِّیَّاتِکَ ‘ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا

’’اے اللہ کے رسولؐ! آپ پر سلام ہو‘ اے اللہ کے نبیؐ! آپ پر سلام ہو‘ اے اللہ کی مخلوق کے افضل ترین فردؐ! آپ پر سلام ہو‘ اے نبیؐ! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکات نازل ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپؐ نے پیغام پہنچا دیا‘ امانت ادا کر دی‘ اُمت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور اللہ کی راہ میں ایسے جہاد کیا جیسے کہ جہاد کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ پر‘ آپؐ کی آل پر‘ آپؐ کی ازواج مطہرات پر اور آپؐ کی اولاد پر رحمتیں اور بے شمار سلام نازل فرمائے۔‘‘

اس کے بعد تھوڑا سا دائیں طرف ہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس طرح سلام کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَابَکْرٍ الصِّدِّیْقِ صَفِیَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَصَاحِبَہٗ فِی الْغَارِ ‘ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرًا

’’آپ پر سلام ہو‘ اے ابوبکر صدیق‘ اے اللہ کے رسول کے مخلص دوست‘ اور غار میں حضور علیہ السلام کے ساتھی! اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمد ﷺ کی اُمت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے‘‘۔

پھر تھوڑا سا مزید دائیں طرف ہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کرے اور کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا عُمَرُ الْفَارُوْقُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ جَزَاکَ اللّٰہُ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ خَیْرًا

’’اے عمر فاروق رضی اللہ عنہ! آپ پر سلام ہو‘ اللہ کی رحمت ہو‘ اس کی برکتیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمد ﷺ کی اُمت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔‘‘

پھر وہاں سے ہٹ جائے۔ قبروں کی زیارت نیک عمل ہے اور نیک عمل کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کی جا سکتی ہے۔ اس لیے اگر اس زیارت کے نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرنا چاہے تو

مواجہ شریف سے ایک طرف چلا جائے اور قبلہ کی طرف مُنہ کر کے اللہ تعالیٰ سے جو چاہے مانگے اور جو چاہے دعا کرے۔ اس طرح مسجد نبوی کی زیارت مکمل ہو جائے گی۔ اب اگر چاہے تو مدینہ میں ٹھہرا رہے' چاہے تو وطن چلا جائے۔ البتہ مسجد نبوی میں نمازیں پڑھنے کے لیے مدینے میں رک جانا افضل ہے' خصوصاً اس لیے بھی کہ مسجد نبوی شریف میں چالیس نمازیں پڑھنے کی ترغیب آئی ہے۔

③ مدینہ منورہ کے فضیلت والے دیگر مقامات کی زیارت

جب اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو مسجد نبویؐ کی زیارت اور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا شرف بخشے اور اسے مدینہ طیبہ میں داخلے کا موقع نصیب فرمادے' تو اس کے لیے بہتر ہے کہ مسجد قبا میں بھی نماز پڑھنے جائے۔ کیونکہ نبی اکرمؐ مسجد قبا میں جایا کرتے تھے اور اس میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ عمل کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ تَطَهَّرَ فِيْ بَيْتِهٖ ثُمَّ اَتٰى مَسْجِدَ قُبَاءَ فَصَلّٰى فِيْهِ صَلَاةً كَانَ لَهٗ كَاَجْرِ عُمْرَةٍ)) (۱۷)

''جو شخص اپنے گھر میں پاکیزگی حاصل کرے (نہالے یا وضو کرے اور صاف ستھرے کپڑے پہنے) پھر مسجد قبا میں آئے اور وہاں کوئی نماز ادا کرے تو اسے ایک عمرے جتنا ثواب ملتا ہے۔''

جناب نبی اکرم ﷺ کبھی سواری پر اور کبھی پیدل مسجد قبا تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ (۱۸)

شہدائے اُحد کی قبروں کی بھی زیارت کرنی چاہیے۔ جناب رسول اللہ ﷺ ان کی قبروں کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے اور (وہاں جا کر) انہیں سلام کہتے تھے (جس طرح عام قبرستان میں جا کر کہا جاتا ہے)۔ (۱۹)

شہدائے اُحد کی قبروں کی زیارت کے لیے جانے کی وجہ سے اسے ''اُحد'' پہاڑ کو دیکھنے کا موقع بھی ملے گا جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا:

((اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ)) (۲۰)

''اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔''

اور فرمایا:

((اُحُدٌ جَبَلٌ مِنْ جِبَالِ الْجَنَّةِ)) (۲۱)

''اُحد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے''۔

ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ اُحد پہاڑ پر تشریف فرما تھے کہ پہاڑ لرزنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس پر پاؤں مار کر فرمایا:

((اُسْکُنْ اُحُدُ (اَظُنُّہُ ضَرَبَہُ بِرِجْلِہٖ) فَلَیْسَ عَلَیْکَ اِلاَّ نَبِیٌّ وَصِدِّیْقٌ وَشَہِیْدَانِ))(۲۲)

''اُحد! رک جا' تجھ پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہی تو ہیں۔ (راوی کا گمان ہے کہ آپؐ نے اُحد پہاڑ کو اپنا پاؤں مبارک مار کر فرمایا تھا۔)''

اس کے علاوہ ''بقیع'' کے قبرستان کی زیارت بھی کرنی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہاں مدفون حضرات کو سلام کہتے تھے۔

اس قبرستان میں چھ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ' تابعین عظام اور صالحین مدفون ہیں۔ لہٰذا اس قبرستان میں جانا چاہیے اور اس طرح سلام کہنا چاہیے:

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ اَنْتُمْ سَابِقُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ' یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَمِنْکُمْ وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ نَسْاَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ' اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلَھُمْ وَارْحَمْنَا وَاِیَّاھُمْ ' اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ' وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ (۲۳)

''اے مؤمن اور مسلمان گھروں والو! تم پر سلامتی ہو۔ تم پہلے آ گئے اور ہم اِن شاء اللہ تم سے آ ملنے والے ہیں۔ ہم اور تم میں سے پہلے آنے والوں پر بھی اللہ رحمت کرے اور بعد میں آنے والوں پر بھی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی عافیت طلب کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہماری اور ان کی مغفرت فرما دے' اور ہم پر اور اُن پر رحمت فرما۔ اے اللہ! ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ فرمانا اور ان کے (جانے کے) بعد ہمیں آزمائش میں نہ ڈالنا۔''

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ' باب ذکر النبی ﷺ وحض علی اتفاق اھل العلم وما اجمع۔ وصحیح مسلم' کتاب الحج' باب فضل المدینۃ ودعاء النبی ﷺ فیھا بالبرکۃ وبیان تحریمھا...... الخ۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الحج' باب فضل المدینۃ۔ اس روایت کے الفاظ سنن ابی داؤد کے

مطابق ہیں۔ کتاب المناسك، باب تحریم المدینة۔
(٣) سنن ابی داوٗد، کتاب المناسك، باب فی تحریم المدینة۔ اس کی سند اچھی ہے۔
(٤) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الایمان یارز الی المدینة۔ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینة والصبر علی لأوائها۔ حدیث کا پہلا حصہ بخاری اور دوسرا مسلم کا ہے۔
(٥) سنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب فضل المدینة۔
(٦) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب المدینة تنفی شرارها۔
(٧) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیها بالبرکة...... الخ۔
(٨) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب اثم من کاد اهل المدینة۔
(٩) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیها بالبرکة...... الخ۔
(١٠) صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب برکة صاع النبی ﷺ ومده۔ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیها بالبرکة...... الخ۔
(١١) معجم کبیر للطبرانی۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔
(١٢) مصنف سے یہاں تسامح ہوا ہے، کیونکہ معراج کی روایات میں آنحضرت ﷺ کا مدینہ آنا مذکور نہیں۔ اس لیے ''مسجد اقصیٰ'' سے یہاں ''مسجد نبوی'' مراد نہیں ہو سکتی۔ (مترجم)
(١٣) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدی مکة والمدینة۔ آخری جملہ مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں ہے۔ دیکھئے مسند احمد۔ وصحیح ابن حبان۔
(١٤) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب حج النساء۔
(١٥) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب کراهیة النبی ﷺ ان تعری المدینة۔ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما بین القبر والمنبر روضة من ریاض الجنة۔
(١٦) مسند احمد۔ منذری نے فرمایا: اس حدیث کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔ یہ حدیث قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ جامع ترمذی میں بھی ہے۔
(١٧) سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی الصلاة فی مسجد قباء (نحوه) ۔ومستدرك حاکم۔ امام حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔
(١٨) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل مسجد قباء و فضل الصلاة فیه وزیارته۔
(١٩) سنن ابی داوٗد۔
(٢٠) صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب خرص الثمر۔ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة ودعاء النبی ﷺ فیها بالبرکة۔
(٢١) طبرانی۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔
(٢٢) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان ابی عمر القرشی۔
(٢٣) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها (نحوه)۔

1

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (39)

تُرکی (7)

(TURKEY)

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

1914ء میں پہلی جنگِ عظیم چھڑی تو ترکی کو مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر اِس جنگ میں شریک ہونا پڑا:

(1) سلطنتِ عثمانیہ اُن پابندیوں سے آزاد ہونا چاہتی تھی جو یورپی طاقتوں نے ''مراعاتِ خصوصی'' کے نام سے اُس پر عائد کر رکھی تھیں۔ ترک اتحادیوں کا ساتھ دینا چاہتے تھے' لیکن اتحادی روس کی وجہ سے انہیں اپنے ساتھ ملانے کے روادار نہ تھے' چنانچہ ترکی کو اُن کے مخالف کا ساتھ دینا پڑا۔

(2) روس عرصۂ دراز سے ایسے وقت کی تلاش میں تھا کہ جونہی اُسے موقع ملے وہ قسطنطنیہ کو ہڑپ کر لے۔ چنانچہ ترکی کے لیے رُوس کے مخالف طاقتوں کا ساتھ دینا لازمی تھا۔

(3) اتحادیوں نے ہمیشہ سلطنتِ عثمانیہ کی عیسائی رعایا کے لیے سخت کوشش کی کہ مسلمانوں کے مقابلے میں اُن کی سیاسی اور اقتصادی برتری قائم و استوار کر دیں۔ اس وجہ سے بھی ترکوں کو اُن کے مخالف فریق کا ساتھ دینا پڑا۔

(4) ترکوں کا ایک با اقتدار فریق جرمنی کا ساتھ دینا چاہتا تھا' کیونکہ جرمنی رُوس کا دشمن اور رُوس سلطنت عثمانیہ کا دشمن تھا۔ انور پاشا جرمنی سے اتحاد کرنے میں پیش پیش تھا۔ اگست 1914ء کے معاہدے میں' جو جرمنی اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان طے پایا' ترکی نے انگلستان اور فرانس کے متعلق غیر جانب دار رہنے کا اظہار کیا۔ وہ صرف رُوس کے مقابلے میں جرمنی کی حمایت کا طلب گار تھا۔

(5) ترکی ابھی تک فرانس اور انگلستان کے معاملے میں غیر جانب دار تھا' لیکن برطانیہ نے انگلستان میں تعمیر ہونے والے ترکی جہاز' جن کی رقم بھی ادا کر دی گئی تھی' جرمنی کا اعلانِ جنگ ہوتے ہی ضبط کر لیے' حالانکہ ترکی ابھی تک برطانیہ کے مقابلے میں نہ آیا تھا۔ چنانچہ جرمنی کا ساتھ دینے کی ایک

وجہ یہ بھی تھی۔

جنگ کے آغاز میں سلطنتِ عثمانیہ نے دس لاکھ سے زیادہ فوج میدانِ جنگ میں روانہ کی تھی۔ اور جس وقت جنگ بندی ہوئی تو چار سال کی جنگ میں تین لاکھ 25 ہزار ترک فوجی شہید اور چار لاکھ زخمی ہوئے۔ ایک لاکھ تیرہ ہزار فوجی لاپتہ ہوئے۔ شام اور عراق میں لڑنے والی فوجیں منتشر اور نڈھال ہو کر ترکی کی حدود میں ادرنہ تک پسپا ہو چکی تھیں۔ صرف قفقاز کا محاذ ایسا تھا جہاں ترک فوجیں ابھی تک کمزور نہیں پڑی تھیں۔ انور پاشا کے بھائی نُوری پاشا کی قیادت میں ایک فوج رُوسی آذربائیجان میں داخل ہو کر باکو اور داغستان پر، اور دوسری فوج جنرل کاظم قرہ بکر پاشا (1948ء۔1882ء) کی قیادت میں ایرانی آذربائیجان کے صدر مقام تبریز پر قابض ہو چکی تھیں، لیکن جنگ بندی کے بعد یہ فوجیں واپس بلالی گئیں۔ انگریزوں نے موصل پر قبضہ کر لیا۔ پھر یونانیوں نے ادرنہ اور مغربی ترکی میں فوجیں داخل کر دیں۔ اٹلی نے جنوبی ساحل پر فوجیں اُتار دیں۔ فرانسیسی فوجیں شام کی طرف سے ترکی میں داخل ہو گئیں۔ آرمینیا کی نو آزاد حکومت نے شمال مشرقی ترکی میں داخل ہو کر کئی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اتحادیوں کا بحری بیڑہ دردانیال سے گزر کر پہلے ہی دارالخلافہ استنبول کے سامنے لنگر انداز ہو چکا تھا۔ 16 مارچ 1920ء کو اتحادی فوجیں بھی شہر میں داخل ہو گئیں۔ مختصر یہ کہ ''معاہدہ سیورے'' پر دستخط سے پہلے ہی اتحادی طاقتیں اپنے مقاصد حاصل کر چکی تھیں۔

معاہدہ سیورے

ترک اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہے تھے۔ اُن کی سلطنت ہی ختم نہیں ہوئی تھی، بلکہ قومی وجود بھی خطرے میں پڑ چکا تھا، لیکن اُمید افزا بات یہ تھی کہ گو عثمانی فوجیں شکست کھا چکی تھی، لیکن ترک قوم نے یہ شکست تسلیم نہیں کی تھی۔ پوری قوم نے ''معاہدے سیورے'' کی شرائط کی شدت سے مخالفت کی۔ اس معاہدے کے تحت ترکی حکومت کو نہ صرف اپنے عرب علاقوں سے دست بردار ہونا پڑا، بلکہ ترکی کی سرزمین کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ ترکی کا یورپی حصہ اور مغربی ترکی یونان کو دے دیا گیا اور مشرقی ترکی میں آرمینی اور کُرد باشندوں کی الگ الگ آزاد حکومتیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ باسفورس اور دردانیال کے دونوں کنارے، جن میں دارالخلافہ استنبول بھی شامل تھا، بین الاقوامی نگرانی میں دے دیئے گئے۔ ترکوں کو اپنی آزاد مملکت قائم کرنے کا حق صرف ترکی کی نیم بنجر، وسطی سطح مرتفع اور اس سے ملے ہوئے شمالی ساحل تک محدود کر دیا گیا۔ یہ معاہدہ حکومت عثمانیہ کی جانب سے خلیفہ نے مجبوراً تسلیم کیا تھا۔ اس معاہدے کی شدید مخالفت نہ صرف ترک عوام نے بلکہ خود عثمانی پارلیمنٹ نے 12 رجنوری 1920ء کو اپنے آخری اجلاس میں کی اور ترکی کی اصلی قومی حدود کے تحفظ کا مطالبہ کیا۔ دارالخلافہ استنبول پر چونکہ دشمن قابض ہو چکا تھا، اس لیے حریت پسندوں نے مصطفیٰ کمال کی قیادت میں انقرہ میں قومی حکومت قائم کر لی، جہاں عثمانی پارلیمنٹ کے آخری اجلاس کے صرف تین ماہ بعد ''مجلس کبیر ملی'' نے عثمانی پارلیمنٹ کی

جگہ لے لی۔اب ترکی کی آزادی کی جنگ شروع ہوچکی تھی۔اس جنگ کے ہیرواور قائد مصطفیٰ کمال تھے۔

مصطفیٰ کمال اور جنگِ آزادی

مصطفیٰ کمال عثمانی فوج کے ایک ممتاز کمانڈر تھے۔ وہ 1881ء میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم کے بعد وہ فوجی سکول میں داخل ہوئے۔تعلیم وتربیت کا نصاب مکمل کرنے کے بعد فوج میں شمولیت اختیار کی۔مصطفیٰ کمال اُس زمانے کے نوجوان ترکوں کی طرح سلطان عبدالحمید کی آمرانہ حکومت کے خلاف تھے۔اُن کی خفیہ سرگرمیوں کی وجہ سے سلطان نے اُن کو جنوری 1905ء میں دارالخلافہ سے دُور شام میں تعینات کر دیا۔ یہاں مصطفیٰ کمال نے 1906ء میں ''وطن وحریت'' کے نام سے ایک خفیہ تنظیم قائم کی جو بعد میں ''تنظیم اتحاد وترقی'' میں ضم کردی گئی۔ 1907ء میں مصطفیٰ کمال کی تعیناتی سالونیکا کی گئی اور یہاں وہ محمود شوکت پاشا کی اُس ''حرکتِ اُردو''یعنی لشکرِ عمل میں شامل تھے،جس نے استنبول میں وہ ہنگامہ فرو کیا جو''31/مارچ کے واقعے'' کے نام سے مشہور ہے اور جس کے بعد سلطان عبدالحمید معزول کردیے گئے تھے۔

1911ء میں جنگِ طرابلس اور 1912ء میں جنگ بلقان میں بھی مصطفیٰ کمال نے شرکت کی۔ پہلی جنگِ عظیم چھڑنے کے بعد وہ گیلی پولی، شام اور قفقاز کے محاذوں پر تعینات کیے گئے، لیکن جس معرکے نے مصطفیٰ کمال کو بین الاقوامی شہرت دی، وہ گیلی پولی یا دردانیال کی جنگ تھی۔ اِس جنگ میں انہوں نے برطانیہ اور فرانس کی متحدہ طاقت کو پسپا کر کے حیرت انگیز جنگی کارنامہ انجام دیا۔

جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد 19/مئی 1919ء کو مصطفیٰ کمال بحری راستے سے سمون پہنچے۔اُن کو حکومت نے وہاں اس لیے بھیجا تھا کہ وہ اناطولیہ میں حریت پسندوں کی سرگرمیوں پر قابو پاسکیں۔لیکن انہوں نے اناطولیہ پہنچ کر حکومت سے قطع تعلق کرلیا اور حریت پسندوں کی قیادت سنبھال کر تحریکِ آزادی کو منظّم کرنا شروع کر دیا۔ارضِ روم اور دوسرے شہروں میں حریت پسندوں کے بڑے بڑے جلسے ہوئے اور انقرہ میں قومی حکومت قائم کر دی گئی۔ جنگِ آزادی کو منظّم کرنے میں جنرل کاظم قرہ بکر پاشا کا بھی نمایاں ہاتھ تھا۔مشرقی محاذ کی کمان اُن کے ہاتھ میں تھی اور اُن کی کمان میں ایک منظّم اور مضبوط فوج تھی۔ جب سلطان نے مصطفیٰ کمال کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تو جنرل کاظم نے انکار کر دیا اور خود کو اور اپنی فوج کو مصطفیٰ کمال کے ہاتھ میں دے دیا۔مصطفیٰ کمال اس پر خوشی سے اُچھل پڑے اور کاظم پاشا سے لپٹ گئے۔کاظم پاشا کے اِس اقدام سے حریت پسندوں کو بڑی مدد ملی اور وہ غیر ملکی حملہ آوروں کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے قابل ہو گئے۔

بیرونی حملہ آوروں کے خلاف پہلی فوجی کارروائی جنرل کاظم قرہ بکر پاشا نے کی اور انہوں نے شمال مشرقی ترکی سے آرمینی حملہ آوروں کو نکال کر اپنے سابقہ مقبوضات پر قبضہ کرلیا۔اس کارروائی کی وجہ سے ترک اُن کو''فاتح شرق'' کہتے ہیں۔حریت پسندوں کی قوت کو دیکھ کر جلد ہی فرانس اور اٹلی نے ترکی کی

سرزمین سے اپنی فوجیں واپس بُلا لیں اوراب صرف یونانی میدان میں رہ گئے۔ مصطفیٰ کمال نے اب یونانیوں کی طرف رُخ کیا۔انہوں نے ستمبر 1921ء میں سفاریہ کی جنگ میں اوراس کے بعد 30 اگست 1922ء کوڈ ملوپنار (Dumlu Pinar) کی عظیم جنگ میں یونانیوں کوشکست فاش دے کر 9 ستمبر 1922ء کوازمیر سے بھی اُن کونکال دیا۔حریت پسندوں کی اِن کامیابیوں کے پیشِ نظراتحادی فوجوں نے استنبول بھی خالی کردیا۔24 جولائی 1923ء کولوزان میں ترکی اوراتحادیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا' جس میں ترکی کی قومی حدوداورآزادی کو بڑی حدتک ترکوں کی خواہش کے مطابق تسلیم کرلیا گیا۔ اس طرح آزادی کی پنج سالہ جنگ کامیابی سے ہمکنار ہوئی اورسلطنت عثمانیہ کی ''آزادترکی جمہوریہ'' وجود میں آ گئی۔کامیابی کا سہرا یقیناً مصطفیٰ کمال کے سر تھا۔ترک قوم نے اُن کے اِس کارنامے پر اُن کو ''اتاترک''یعنی ترکوں کے باپ کا خطاب دیا۔

تبادلۂ آبادی

آزادی کے بعدترکی کوجن پریشان کن اورنازک مسائل کا سامنا کرنا پڑا' اُن میں ایک مسئلہ یونان اورترکی کے درمیان تبادلۂ آبادی کا تھا۔ خلافتِ عثمانیہ کے عہد میں ترکی کے مغربی حصے میں یونانی باشندے کثیر تعداد میں آباد تھے۔ اِن یونانی باشندوں نے یونانی فوجوں کے ترکی میں داخلے کے وقت ترک باشندوں پر بڑے مظالم کیے تھے' جس کی وجہ سے یونانی اورترک باشندوں کے درمیان ایک دوسرے سے سخت نفرت اوردشمنی پیدا ہوگئی تھی۔دونوں قوموں کی اِس دیرینہ کشیدگی کی وجہ سے یونان میں مسلمان باشندے بھی خطرے میں پڑ گئے تھے۔ چنانچہ ''معاہدۂ لوزان'' کے تحت یونان اورترکی کی حکومتوں نے ترکوں اور یونانیوں کے درمیان تبادلۂ آبادی کا فیصلہ کیا۔ اِس فیصلے کےتحت 1923ء اور 1928ء کے درمیان تقریباًبارہ لاکھ یونانی باشندے ترکی سےنقل مکانی کر کے یونان چلے گئے اورتقریباً چارلاکھ ترک باشندے یونان سےنقلِ وطن کر کےترکی میں آ کرآباد ہوگئے۔اس تبادلۂ آبادی کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ترکی یونانیوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہوگیا۔

اتاترک کے عہد کےاہم واقعات میں ایک باسفورس اوردردانیال کی قلعہ بندی بھی ہے۔آبنائے باسفورس اوردردانیال بحیرۂ اسود کوبحیرۂ روم سے ملاتی ہے' اور اِس لحاظ سے یہ آبنائے بین الاقوامی شاہراہ کی حیثیت رکھتی ہے' لیکن یہ آبنائے ترکی کے اندر سے گزرتی ہےاورسرزمین ترکی کاایک حصہ ہے۔ترکی کے دفاع میں آبنائے باسفورس اور دردانیال کو بڑی اہمیت حاصل ہے' اوراسی لیے عثمانی دَور میں اِس آبنائے کے دونوں طرف ترکوں نے قلعہ بندیاں کررکھی تھیں' یہ قلعہ بندیاں جنگِ عظیم میں ترکوں کی شکست کے بعدتوڑ دی گئی تھیں اوران کودوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ 1936ء میں ترکوں کا یہ دفاعی حق تسلیم کرلیا گیا' اورترکوں نے باسفورس اوردردانیال کے کنارے دوبارہ دفاعی مورچے بنالیے۔

اتاترک کے عہد میں ترکی میں صنعتی ترقی کا دورشروع ہوا۔اس زمانے میں پانچ سالہ ترقیاتی

منصوبے بنائے گئے اور اُن کے تحت ملک کو صنعتی و زرعی، تعلیمی اور معاشرتی شعبوں میں خاصی ترقی دی گئی۔ ترقی کا بیشتر کام سرکاری سرمائے اور سرکاری نگرانی میں انجام دیا گیا۔ ان منصوبوں کی بدولت ترکی میں صنعتی ترقی کی داغ بیل پڑ گئی۔ صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ مزدوروں کے مسائل بھی پیدا ہوئے اور 1936ء میں ملک میں پہلا ''لیبر قانون'' نافذ ہوا۔

اصلاحات کے چھ بنیادی اُصول

مصطفیٰ کمال کے عہد کی اصل اہمیت اُن انقلابی تبدیلیوں کی وجہ سے ہے جو ''اتاترک کی اصلاحات'' کہلاتی ہیں اور جن کی بنیاد اسلام کی بجائے مغربی نظریات وتصورات پر رکھی گئی ہے۔ اِن اصلاحات کی بنیاد چھ اصولوں پر تھی جو ترکی زبان میں چھ تیر (Altick) یا چھ ہدف کہلاتے ہیں۔ یہ اصول حسبِ ذیل ہیں:

(1) جمہوریت (2) قوم پرستی (3) عوام پسندی (4) قومی ملکیت
(5) سیکولرازم (6) انقلابیت

اتاترک نے اصلاحات کا آغاز بادشاہت یا سلطانی کو ختم کر کے اور ترکی کو ایک جمہوریہ (ری پبلک) قرار دے کر کیا۔ اِس ضمن میں انہوں نے خلافت کا نظام بھی ختم کر دیا جو مسلمانوں کے لیے جذباتی اور نظریاتی اہمیت تو رکھتا تھا، لیکن اپنی اصلیت اور رُوح سے خلافتِ راشدہ کے بعد ہی محروم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اتاترک نے 1928ء تک مسلسل مختلف اصلاحات نافذ کیں۔ خانقاہوں کو بند کر دیا گیا اور تصوف کے سلسلے ختم کر دیے گئے۔ تعدّدِ ازدواج پر پابندی لگا دی گئی۔ مغرب کے دیوانی اور فوجداری قوانین پر مشتمل ضابطے بنائے گئے۔ ہجری کیلنڈر کی جگہ مغربی شمسی کیلنڈر اختیار کیا گیا۔ پردہ کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ ترکی ٹوپی کو ممنوع قرار دے کر ہیٹ پہننا لازمی قرار دیا گیا۔ شادی اور طلاق وغیرہ سے متعلق اسلامی عائلی قوانین تبدیل کر کے مغربی قوانین نافذ کیے گئے۔ عربی میں اذان اور تکبیر خلافِ قانون قرار دی گئی۔ دینی تعلیم کے مدرسے بتدریج بند کر دیے گئے اور آخر میں ترکی جمہوریہ کے آئین سے ''اسلامی ریاست'' کی دفعہ نکال کر ملک کو ایک سیکولر یا لادینی جمہوریہ قرار دے دیا گیا۔ مغرب کی دوستی میں مصطفیٰ کمال اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے ''جامع ایا صوفیہ'' کو، جو مسلمانوں کے دورِ فتوحات کی ایک عظیم یادگار تھی، مسجد سے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا۔ ترکی زبان اور رسم الخط میں بھی تبدیلی کی گئی اور ترکی کے عربی رسم الخط کو بدل کر لاطینی رسم الخط اختیار کیا گیا اور اِس طرح ترک مسلمان اپنے پانچ سو سالہ ادبیات سے، جو اسلامی فکر ونظر کی ترجمانی کرتا تھا، قلم کی ایک جنبش سے بے تعلق کر دیے گئے۔

اتاترک کے عہد میں پوری پوری کوشش کی گئی کہ ترکی کو مشرق سے کاٹ دیا جائے اور اِس کو ایک مغربی/ یورپی ملک سمجھا جائے۔ رنگ، نسل اور وطن پر مبنی قوم پرستی کے مغربی نظریے کو، جو انسانی دوستی کے اسلامی نظریے کی ضد ہے، پوری قوت اور شدت سے اپنایا گیا۔ ترکوں کی تاریخ کے اسلامی ادوار کی اہمیت گھٹانے

اور قبل از اسلام کے عہد کی اہمیت بڑھانے اور اُس کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ سیکولرازم (لا دینی نظام) دوسرے ملکوں میں بھی اختیار کیا گیا' لیکن ترکی کا سیکولرازم ان سے بہت مختلف تھا۔ ترکی میں ایک طویل عرصے تک سیکولرازم کی اس طرح تعبیر وتشریح کی گئی کہ سیکولرازم دراصل مذہب دشمنی ہے۔ اس پالیسی کے نتیجے میں ترکی میں مخالفِ اسلام عناصر کو پھلنے پھولنے کا خوب موقع ملا اور اسلامی فکر رکھنے والوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ ترکی اسلامی دنیا کا پہلا ملک ہے جہاں شراب سازی ''سرکاری سرپرستی'' میں شروع کی گئی اور اِس اُم الخبائث کو سرکاری سرپرستی میں عام اور مقبول کیا گیا۔

اِن تبدیلیوں پر جن کو ''اصلاحات'' کا نام دیا جاتا ہے' نظر ڈالنے سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اتاترک کی پالیسی اور کام کرنے کا طریقہ مسلمان اور اسلامی دنیا کے لیے بالکل نیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اتاترک کا ترکوں پر بڑا احسان ہے۔ انہوں نے اُن کو غیر مسلم اقتدار سے آزادی دلائی۔ انہوں نے اپنے ملک کو ترقی دینے کی' اور اُس پستی سے نکالنے کی' جس میں سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد ترکی گر گیا تھا' جان توڑ کوشش کی' لیکن انہوں نے غلطی یہ کی کہ اصلاح کا کام مغربی انداز میں کیا' اسلامی انداز میں نہیں کیا۔ یہ اصلاحات ایک مغربی اور غیر مسلم ملک کے لیے تو ٹھیک ہوسکتیں تھیں' لیکن ایک ایسے ملک کے لیے جہاں مسلمان آباد ہوں اور جن کی تہذیب اسلامی اقدار پر قائم ہو' درست نہیں۔ ایک مسلم ملک میں سچی ترقی اسلامی تہذیب کی بنیاد ہی پر ہوسکتی ہے اور اسی طرح اسلامی انفرادیت اور اسلامی اتحاد کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

مصطفیٰ کمال نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اسلام کو سپاہی اور ملکی نظم ونسق سے الگ کر دیا' بلکہ ترک مسلمانوں کو قرآن وسنت کی رہنمائی سے محروم کر دیا۔ ان اصلاحات کے نتیجے میں جو نظام تعلیم رائج کیا گیا' اور جو درسی کتابیں لکھوائی گئیں' اُن کی وجہ سے نئی نسلیں صحیح اسلامی شعور سے محروم ہوگئیں اور اسلام کا سیاسی نظام' معاشی نظام' معاشرتی نظام جیسی اصطلاحات ترکوں کے لیے اجنبی بن گئیں۔ نامق کمال' سعید حلیم پاشا اور محمد عاکف کے افکار اُن کے لیے فرسودہ ہوگئے۔ اتاترک کو مؤرخین نے ''دوسرا اکبر'' قرار دیا ہے۔ دونوں ذہین وفطین اور بیدار مغز حکمران تھے۔ دونوں نے سیاسی میدان میں عظیم کارنامے سرانجام دیئے لیکن دونوں نے اسلام کی رہنمائی سے انکار کر دیا۔ جس طرح اکبر کے سب سے بڑے مداح ہندو اور مغربی اہل قلم ہیں' اسی طرح کمال اتاترک کے بھی سب سے بڑے مداح اہل یورپ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مصطفیٰ کمال کی اصلاحات مغرب کی فتح اور اسلام کی شکست ہیں' جو مغربی اقوام کا محبوب مقصد ہے۔

اسلامی عناصر کی ناکامی کے اسباب

اتاترک کے عہد کی اصلاحات اور دوسری غیر اسلامی کارروائیوں کو دیکھ کر ذہن میں قدرتی طور پر یہ خیال اُبھرتا ہے کہ ایک ایسی قوم میں جو صدیوں تک اسلام کا بازوئے شمشیر زن رہی ہو' جو خلافت کی علم بردار رہی ہو اور جس کا حکمران خود کو خادم الحرمین شریفین کہلاتا ہو' اور جس ملک میں نامق کمال' سعید حلیم پاشا

اور محمد عاکف جیسے اسلامی فکر رکھنے والے دانشور پیدا ہوئے ہوں' اُس ملک میں انتہا پسندانہ نوعیت کی یہ غیر اسلامی اصلاحات کس طرح کامیاب ہوگئیں؟ اِس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ترکوں اور عربوں کے درمیان وہ عناصر کافی طاقتور ہوگئے تھے جو قوم پرستی کے نظریے پر ایمان رکھتے تھے۔ جنگِ عظیم اوّل کے دوران عربوں کی بغاوت نے اِن عناصر کے لیے سازگار فضا پیدا کردی' اور وہ یہ کہنے لگے کہ جب مذہب کا رشتہ اتنا کمزور ہے کہ ترک اور عرب مسلمان ہوتے ہوئے متحد نہیں رہ سکے' بلکہ ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے ہیں' تو پھر قومی زندگی میں مذہب کو داخل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس طرح سیکولرازم اور قوم پرستی کے حامیوں نے عربوں کی نفرت کے سہارے اسلام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی' اور وہ اِس مقصد میں کامیاب ہوگئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جنگِ عظیم میں ترکوں کی شکست کے بعد انور پاشا اور اُن کے ساتھیوں کو' جو اسلامی اقدار کے کسی نہ کسی حد تک حامی تھے' ملک چھوڑ کر جلاوطنی اختیار کرنی پڑی یا اُن کو حکومت یا انگریزوں نے گرفتار کرلیا اور اس طرح ترکی حکومت کی باگ ڈور اُن لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جو انور پاشا کے مخالف تھے اور اسلام سے اُنہیں کوئی تعلق نہ تھا۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ مصطفیٰ کمال کی غیر معمولی فوجی اصلاحات اور جنگ آزادی میں اُن کی کامیاب قیادت نے مصطفیٰ کمال کی مقبولیت میں بے حد اضافہ کردیا اور مصطفیٰ کمال نے اِس مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر اپنے نظریات ترک قوم پر ٹھونس دیے۔

سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کمال اتاترک نے ترکی جمہوریہ کے ابتدائی برسوں میں ملک کے استحکام کے نام پر سلطان عبدالحمید سے بھی زیادہ سخت آمرانہ اور استبدادی نظام قائم کردیا تھا۔ ملک میں صرف ایک ہی سیاسی جماعت تھی یعنی جمہور خلق پارٹی (پیپلز ری پبلیکن پارٹی)۔ 17 نومبر 1924ء کو کمانڈر کاظم قرہ بکر پاشا' کمانڈر علی فواد پاشا' امیر البحر رؤف بے' بلند پایہ محقق عدنان آدیوار اور رفعت پاشا نے خلق پارٹی سے استعفے دے کر ''ترقی پسند جمہوریت پارٹی'' کے نام سے حرفِ اختلاف قائم کی۔ اس پارٹی کا مقصد مذہب کو سیکولر حکومت کی مداخلت سے بچانا اور آمرانہ رجحانات کی روک تھام کرنا تھا' لیکن مصطفیٰ کمال نے اگلے سال اِس جماعت کو خلافِ قانون قرار دے دیا' اور 1926ء میں اپنے قتل کی سازش کے الزام میں حزبِ اختلاف کے اکیس رہنماؤں کو قتل کردیا اور ڈیڑھ سو رہنماؤں کو جلاوطن کردیا۔ رفعت پاشا کو پھانسی دے دی گئی۔ کاظم قرہ بکر پاشا کو بھی گرفتار کیا گیا' لیکن عوام کے زبردست مظاہروں کے بعد اِن کو رہا کیا گیا۔ اس کے بعد خلق پارٹی نے بلاشرکت غیرے 1950ء تک حکومت کی اور اس طرح حکومت اِس قابل ہوگئی کہ اپنے فیصلے بغیر کسی رکاوٹ کے نافذ کرسکے۔

10 نومبر 1938ء کو استنبول کے تاریخی محل دولمہ باغچہ میں مصطفیٰ کمال کا انتقال ہوا۔ اُن کے انتقال کے بعد عصمت انونو ترکی کا صدر منتخب کیا گیا۔ (جاری ہے)